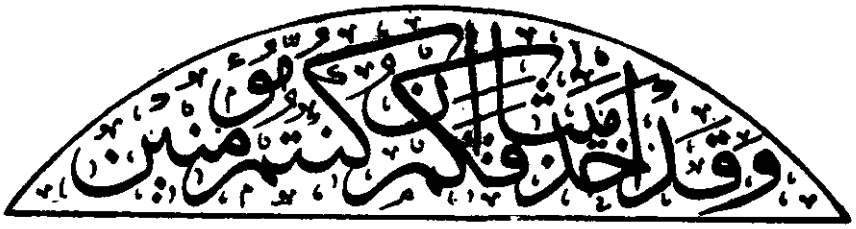

وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْن

ماہنامہ

# میثاق

لاہور

شوال المکرم و ذیقعدہ ۱۴۰۱ء

: مدیر مسئول :

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

اشاعت : ۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور ۔ ۱۴ ۔ فون : ۸۵۲۶۱۱ ۔ ۸۵۲۶۸۳

سالانہ زر معاونت :۔/۲۰ روپے —— اس شمارے کی قیمت ۔/۵

ولقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین

# ماہنامہ میثاق لاہور


| جلد ۳۰ | شوال المکرم و ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ | عدد ۸-۹ |


مشمولات


| | | |
|---|---|---|
| عرض احوال | ڈاکٹر اسرار احمد | ۱ |
| شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک | " | ۲۰ |
| نشرالقرآن (ریڈیائی تقاریر) | " | ۳۳ |
| تعارف الکتاب (پانچویں قسط) | " | ۶۵ |
| الحمد للہ (مقالہ) | علامہ منظور احسن عباسی | ۸۱ |
| اسلام اور حقوق اطفال (چھٹی قسط) | غازی عزیر | ۹۶ |
| افکار وآرا | ادارہ | ۱۱۱ |
| ڈاکٹر اسرار احمد کے ساتھ جنوبی ہند میں پندرہ دن (رپورتاژ) (تیسری قسط) | قاضی عبد لقادر | ۱۲۱ |



مرتب : (شیخ) جمیل الرحمٰن

ناشر : ڈاکٹر اسرار احمد ✱ طابع : چودھری رشید احمد
مطبع : مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح ۔ لاہور

اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرضِ احوال

اس مرتبہ بہت عرصے کے بعد قارئین 'میثاق' سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ اگرچہ اس پورے عرصے کے دوران اس ضمن میں محرومی اور کوتاہی دونوں کا احساس شدّت کے ساتھ رہا تاہم ع "ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا" کے مصداق دل کو یہ اطمینان رہا کہ یہ صورتِ حال مجبوری کے سبب سے ہے اور مجبوری بھی کوئی ذاتی نوعیت کی نہیں بلکہ اُسی مقصد کے لئے بھاگ دوڑ میں مصروفیت اور مشغولیت کی جس کا ایک شعبہ 'میثاق' کی اشاعت بھی ہے۔

'چکّی کے دو پاٹوں کے مابین پس جانا' عام محاورہ ہے لیکن روایتی چکّی کا صرف ایک پاٹ حرکت کرتا ہے، دوسرا ساکن رہتا ہے، جبکہ راقم کے معاملے میں چکّی کے دونوں پاٹ مخالف سمت میں تیزی سے حرکت کر رہے ہیں، یعنی ایک جانب مصروفیات کی شدّت بھی روز افزوں ہے اور ان کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور دوسری طرف جسمانی صحّت اور قوتِ کار میں تیز رفتاری کے ساتھ کمی واقع ہو رہی ہے ـــــ بہرحال یہ اطمینان دل کو بدرجۂ اتم حاصل ہے کہ جسم و جان کی ناگزیر ضروریات اور اہل و عیال کے کم از کم حقوق کی ادائیگی کے علاوہ قوت و صلاحیّت کی کوئی رمق کسی ذاتی یا دنیوی غرض کے لئے استعمال نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مہلتِ عمر کا ہر لمحہ اور اس کی بخشی ہوئی توانائیوں اور صلاحیتوں کا اکثر و بیشتر حصہ اُسی تعالیٰ کے دینِ متین اور اسی تعالیٰ کی کتابِ عزیز کی خدمت میں صرف ہو رہا ہے، بقول شاعر ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا !!

---

اس سال ماہ جنوری کا اکثر حصّہ جنوبی ہند کی 'یاترا' کی نذر ہو گیا تھا جس کی قدرے 'ضرورت سے زیادہ مفصّل' روداد کی دو قسطیں قارئین کی نظر سے گذر

چکی ہیں، تیسری اس اشاعت میں شامل ہے اور غالباً ابھی اتنی ہی اور ہوں گی ۔ بعض حضرات نے اس روداد کی طوالت اور غیر ضروری تفاصیل کی بجا طور پر شکایت کی ہے ۔ ان شاء اللہ بقیہ اقساط میں یہ دونوں خامیاں بہت کم پائی جائیں گی ۔

---

ڈائری پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ ماہ فروری ۸۱ء کے دوران ایک نے دو پورے تین چکر کراچی کے لگے ۔ جن میں سے ایک خود اپنے طے کردہ تنظیمی اور دعوتی پروگرام کے سلسلہ میں تھا اور دو مختلف اداروں کی دعوت پر سیرت النبیؐ کی تقاریر کے ضمن میں ـــــ زمانے کی ترقی اور ذرائع رسل و رسائل کی تیزی کے ساتھ اپنی مصروفیات کی چکی کے پاٹ کی تیز رفتاری کا اندازہ ایک مثال سے ہو سکتا ہے :۔ جمعہ ۳۰ جنوری ۸۱ء کو راقم نے دس بجے صبح سے بارہ بجے دوپہر تک مسجد شہداء ریگل چوک لاہور میں درسِ قرآن دیا ۔ وہاں سے بھاگم بھاگ مسجد دارالسلام، باغ جناح پہنچنا ہوا جہاں خطبۂ جمعہ دیا اور نماز پڑھائی ۔ وہاں سے سیدھے ایئر پورٹ جانا ہوا ۔ جہاں سے پونے تین بجے کی فلائٹ سے کراچی روانگی تھی ۔ فلائٹ لیٹ تھی لہٰذا کراچی ساڑھے پانچ بجے پہنچنا ہوا، جہاں بعد نماز مغرب آدم جی سائنس کالج کے آڈیٹوریم میں کالٹیکس پاکستان لمیٹڈ کے زیر اہتمام لگ بھگ پونے دو گھنٹے "تکمیل رسالت اور اس کے لوازم" کے موضوع پر خطاب ہوا ۔ چنانچہ احباب اور مشفقین میں سے بعض نے بجا طور پر تبصرہ کیا کہ ابتک تو ہمارا خیال یہی تھا کہ آپ ایک انگریزی محاورے کے مطابق اپنی موم بتی کو دونوں سروں سے جلا رہے ہیں لیکن اب یہ احساس ہو رہا ہے آپ نے اسے درمیان سے بھی جلانا شروع کر دیا ہے ـــــ دوسرے روز یعنی ۳۱ جنوری کو اسلامیہ لاء کالج کراچی میں بعد نماز عصر ایک تقریر ہوئی جس کا عنوان تھا "دین اور مذہب کا فرق اور فریضۂ اظہار دین حق علی الدین کلہ" اور مغرب تا عشاء مسجد نعمانیہ واقع نرسری پی ای سی ایچ ایس میں درسِ قرآن ہوا ۔ جو اگلے دو دن بھی انہی اوقات میں جاری رہا اور تین دنوں میں پوری سورۂ تغابن کا درس مکمل ہو گیا ۔

۱۸ر فروری کو آئی ڈی بی پی کی دعوت پر سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر تقریر کیلئے دوبارہ کراچی جانا ہوا - اور تیسری بار ۲۴ر تا ۲۷ر فروری چار دن پھر کراچی میں گذرے جہاں ۲۴ر اور ۲۶ر فروری کو تو علی الترتیب سٹیٹ بنک آف پاکستان اور کسٹمز کلب کیماڑی کراچی میں سیرت کی تقاریر ہوئیں - اور جمعہ ۲۷ر فروری کو بڑے بیٹے عارف رشید سلمہٗ، کا عقد نکاح رفیق مکرم قاضی عبد القادر کی صاحبزادی سے جامع مسجد فاروق اعظمؓ، نارتھ ناظم آباد، کراچی میں ہوا - جہاں جمعہ کی نماز سے قبل ایک مفصل خطاب "اسلام کے عائلی نظام" کے موضوع پر ہوا - اس نکاح میں کراچی کے احباب و رفقاء اور محبین و مشفقین نے جس کثیر تعداد میں شرکت فرمائی اس کا دل پر بڑا گہرا اثر ہوا - اللہ تعالےٰ سب حضرات کو اس تکلیف فرمائی پر جزائے خیر عطا فرمائے - پھر یکم مارچ ۸۱ء کو لاہور میں آں عزیز کے عصرانۂ ولیمہ میں بھی احباب جس گرمجوشی کے ساتھ شریک ہوئے اس کا بھی دل نے نہایت گہرا اثر قبول کیا - فجزاھم اللہ احسن الجزاء -

---

لاہور میں مسجد شہداء کا درس، مسجد دارالسلام کا خطبۂ جمعہ اور کسی نہ کسی مقام پر مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا سلسلہ وار درس تو گویا معمولات ہی میں شامل ہیں - ان کے علاوہ نیپا (N I P A) اسٹاف کالج اور اکیڈمی فار ایڈمنسٹریٹو ٹریننگ ایسے سرکاری تربیتی اداروں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی تقاریر و خطابات کا سلسلہ بھی چلتا ہی رہتا ہے - ان پر مزید اضافہ رفقاء اور احباب کے حلقے میں شادی اور غمی کی تقاریب میں شرکت اور خطاب کا ہو گیا ہے - اور ان سب پر مستزاد ہیں تنظیم اسلامی کے خصوصی اجتماعات اور مجالس مشاورت اور مرکزی انجمن خدام القرآن کی مجلس منتظمہ کے اجلاس اور "قرآن اکیڈمی، معہد ثانوی اور دار المقامہ" کے انتظامی معاملات کا "دردِ سر" بقول علامہ اقبال :-

؎ خدائی اہتمامِ خشک و تر ہے  خداوندا خدائی دردِ سر ہے !!"

اور ان سب کا نتیجہ یہ کہ صحت تیزی سے گر رہی ہے اور بڑھاپا تیزی سے دوڑتا ہوا آتا نظر آتا ہے تاہم جیسے کہ اس سے پہلے عرض کیا گیا، یہ اطمینان دل کو حاصل

ہے کہ :-    "جنوں میں جتنی بھی گذری بکار گذری ہے!"

اس "اہتمامِ خشک وتر" کی نہایت نمایاں مثال "محاضراتِ قرآنی" کے انتظام و انصرام کی بھاگ دوڑ تھی جن کا سلسلہ قرآن اکیڈمی میں ۲۳ سے ۳۱ مارچ تک مسلسل نو۹ دن جاری رہا - اور جن میں چھتیس۳۶ اصحابِ علم وفضل اور اربابِ دانش وبینش نے حصہ لیا - یوں کہنے کو تو یہ بات ایک جملہ میں آ گئی لیکن اتنی کثیر تعداد میں مقررین اور مقالہ نگار حضرات کو جمع کرنا کتنا بڑا "دردِ سر" ہے اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اس قسم کے سیمینار منعقد کرانے کا کبھی تجربہ ہوا ہے، ان محاضرات کی مختصر روداد اور اس کے شرکاء کے اسماءِ گرامی کی فہرست 'میثاق' بابت اپریل مئی ۸۱ء میں شائع ہو چکی ہے - ابتداءً خیال یہ تھا کہ ان مجالس میں جو مقالات پیش ہوتے ان پر مشتمل 'میثاق' کا ایک خصوصی شمارہ شائع کر دیا جائے گا - بعد میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم ومغفور کی قائم کردہ "آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس" کے ڈائریکٹر صاحبان نے ازراہِ کرم اپنے پرچے "حکمتِ قرآن" کا ڈیکلریشن انجمن کے نام منتقل کرنے کا فیصلہ کر لیا - تو خیال ہوا کہ آئندہ 'میثاق' کو تو ایک دعوتی، تبلیغی اور تنظیمی پرچہ بنا دیا جائے (جو 'تنظیمِ اسلامی' کے زیرِ اہتمام شائع ہوا) اور 'حکمتِ قرآن' کو خالص علمی جریدے کی حیثیت دیدی جائے اور اس کی پہلی اشاعت ان ہی 'محاضراتِ قرآنی' پر مشتمل ہو - افسوس کہ توقع کے خلاف انتقالِ ڈیکلریشن کی دفتری کارروائی کا سلسلہ دراز ہو گیا اور تا حال یہ مرحلہ طے نہیں ہو پایا - تاہم توقع ہے کہ اب زیادہ تاخیر نہیں ہوگی - دریں اثناء اس شمارے میں و تبرّکاً علامہ منظور احسن عباسی کی ایک خوبصورت تحریر بعنوان "الحمدللہ" پیش کی جا رہی ہے جو ان ہی محاضرات کی ایک نشست میں خطبۂ صدارت کے طور پر پیش کی گئی تھی -

ماہ اپریل میں ایک تو اپنی دوسری بچی کی شادی کی ذمہ داری سے فراغت حاصل کی، دوسرے پاکستان نیشنل سنٹر اسلام آباد کی دعوت پر ایک چکّر راولپنڈی اسلام آباد کا لگا - جہاں دونوں میں دو تقریریں سیرت النبیؐ کے موضوع

پر ہوئیں - ان میں شرکاء کی تعداد، اور ان کا ذوق و شوق دیدنی تھا - وہاں کے کارکنوں کا کہنا تھا کہ اتنے کامیاب پروگرام اس ادارے کے تحت اس سے قبل کبھی نہیں ہوئے - فللّٰہ الحمد والمنۃ ! اس دورے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ "انجمن خدام القرآن راولپنڈی اسلام آباد" جو کچھ عرصے سے تعطل کا شکار چلی آ رہی ہے اسے از سرِ نو فعّال و محرّک بنایا جائے - لیکن افسوس کہ یہ مقصد حاصل نہ ہو سکا !

---

یکم تا ۴ مئی قرآن اکیڈمی لاہور میں "تنظیم اسلامی" کا چھٹا سالانہ اجتماع منعقد ہوا - اس میں ایک مفصّل تقریر تو راقم نے جمعہ یکم مئی کو بعد نماز مغرب افتتاحی اجلاس میں کی جس کی نوعیّت جلسۂ عام کی تھی جس میں "تنظیم اسلامی" کی دعوت کو حسبِ ذیل سوالات کے جوابات کی صورت میں بیان کیا گیا کہ :-

## ۱ - از روئے قرآن حکیم

ہمارے بنیادی دینی فرائض کیا ہیں ؟
اور آیا ان کی ادائیگی انفرادی طور پر ممکن ہے ؟

## ۲ - سُنّتِ رسُول کا مقام کیا ہے ؟

اور موجودہ دَور میں اتباعِ رسول اور احیاءِ سنت کے تقاضے کیا ہیں ؟

## ۳ - طریقت اور سلوک کی حقیقت کیا ہے ؟

اور تقرب الی اللہ کے ذرائع و وسائل کون سے ہیں ؟

## ۴ - مزید برآں یہ کہ

ملک و ملّت کے بقاء و استحکام کے ضمن میں ہم اپنی ذمہ داریاں کس طرح ادا کر سکتے ہیں ؟"

اور دوسری اس سے بھی مفصّل تقریر (جو تین گھنٹے سے بھی زائد میں مکمل ہو سکی تھی) اختتامی اجلاس میں کی جس میں نہ صرف یہ کہ تنظیم اسلامی کی مخصوص ہیئتِ تنظیمی جس کی اساس شخصی بیعت پر قائم ہے، کے بارے میں تفصیلی وضاحت کی گئی

بلکہ اس کے لازمی تقاضے کے طور پر راقم نے اپنی ذات سے متعلق بھی شرح وبسط کے ساتھ کلام کیا اور اپنی خامیوں اور کوتاہیوں اور مختلف پہلوؤں سے اپنی ذاتی LIMITATION کو کھول کر بیان کر دیا تاکہ جسے بھی میرا ساتھ دینا ہو وہ خالصۃً اپنے احساسِ فرض کے تحت ساتھ دے اور مجھ سے وہ توقعات وابستہ نہ کرے جو میں پوری نہیں کر سکتا — ان دونوں تقریروں کو ٹیپ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کا 'ہفت خواں'، تو محترم شیخ جمیل الرحمٰن نے طے کر لیا ہے - ابھی اس پر میری نظرِ ثانی کا مرحلہ باقی ہے - اللہ تعالےٰ اسے بھی طے کرا دے تو انشاء اللہ یہ دونوں تقریریں 'تنظیم اسلامی' کی دعوت وہیئت سے متعلق جملہ سوالات کا تشفی بخش جواب بن جائیں گی اور ان سے تنظیم کے کام کو آگے بڑھانے میں بڑی مدد ملے گی - اور کیا عجب کہ اللہ چاہے تو جیسے ہی 'معارف قرآن' کا پہلا شمارہ 'محاضراتِ قرآنی' پر مشتمل شائع ہو، 'میثاق' کا ایک خاص نمبر تنظیم کے زیرِ اہتمام ان تقاریر پر مشتمل شائع ہو جائے، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ!

---

اس سال امریکہ کے احباب کی جانب سے اوائل اپریل ہی میں تقاضے شروع ہو گئے - دراصل وہ ایم ایس اے (مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن نارتھ امریکہ) کی سالانہ کنونشن میں میری شرکت کے شدّت سے خواہاں تھے - جو ۲۳ تا ۲۵ مئی منعقدہ ہونے والی تھی انکی خواہش تھی کہ میں اس کنونشن سے خطاب کروں - مجھے گذشتہ دو سالوں کے دوران ایم ایس اے کی ایک ذیلی تنظیم آئی ایم اے (اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ) کا جو تجربہ ہو چکا تھا اس کی بنا پر میں جانتا تھا کہ یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہیں - تاہم کچھ اس وجہ سے کہ اس زمانے میں امریکہ اور پاکستان کے مابین نہ ڈاک کا نظام تسلّی بخش ہے نہ فون کا لہٰذا افہام وتفہیم ممکن نہ تھی کہ کچھ اپنی اس طبعی کمزوری کے باعث کہ احباب کی فرمائش رد نہیں کر سکتا اور کچھ اس خیال کے تحت کہ جس کنونشن کا ذکر بہت عرصے سے سننے میں آ رہا ہے اس کی سیر ہی سہی میں نے ان کے

مطالبے کے آگے ہتیار ڈال دیئے اور طے پایا کہ مئی کے پہلے ہفتے میں تنظیم کے سالانہ اجتماع کے فوراً بعد امریکہ کے لئے رختِ سفر باندھ لیا جائے۔

ادھر مارچ کے اواخر میں پاکستان ٹیلیویژن کی جانب سے "الھُدٰی" کے عنوان سے مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے سلسلہ وار درس کا ایک ہفتہ وار پروگرام طے پا گیا جس کا آغاز اواخر اپریل سے ہونا تھا۔ نتیجۃً ماہ اپریل کا معتدبہ حصہ ٹیلیویژن اسٹیشن پر اپنی ملک سے غیر حاضری کے عرصہ کے لئے "الھُدٰی" کی پیشگی ریکارڈنگ میں گزرا۔ الحمد للہ کہ سورۃ العصر، آیۃ بر سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع، سورۂ فاتحہ اور سورۂ آل عمران کی آیات ۱۹۰ تا ۱۹۶ پر مشتمل پانچ اسباق کی ریکارڈنگ سولہ نشستوں میں مکمل ہو گئی جو لگ بھگ چار ماہ کے لئے کافی تھی۔

یہ معاملہ بھی غالباً ایسے سب ہی لوگوں کے ساتھ پیش آتا ہے جن کے دل میں کسی مقصد کی لگن ہو اور سر پر اُس کی دُھن سوار ہو کہ جب کوئی مشقت سر پر آن پڑتی ہے تو جسم و جان کی جملہ RESERVE توانائیاں بروئے کار آ کر اُس مرحلے کو طے کرا دیتی ہیں لیکن اُس کے فوراً بعد ردِّ عمل کا ظہور ہوتا ہے اور صحت ایک دم جواب دے جاتی ہے چنانچہ اس سال جنوری تا مئی جو شدید مشقت رہی اس کے نتیجے میں ایک بار تو وسط مارچ میں شدید علالت کا دورہ ہوا۔ اور دوسری بار تنظیم کے اجتماع سے فراغت کے فوراً بعد اسی کیفیت کا اعادہ ہوا — بنا بریں اس سال امریکہ کے سفر میں میں نے اپنے دوسرے بیٹے عزیزم عاکف سعید سلمہٗ کو ساتھ لے لیا، جنہوں نے ایک جانب تو اسی سال ایم اے (فلسفہ) کی تکمیل کی ہے اور دوسری جانب بفضلہٖ تعالےٰ گذشتہ سال حفظِ قرآن کی تکمیل بھی کر لی تھی اور گذشتہ رمضان المبارک میں تراویح میں ہمیں قرآن مجید سنا بھی لیا تھا — لاہور سے ہم باپ بیٹا ۱۰ مئی کو کراچی کے لئے — اور وہاں سے ۱۲ مئی کو علی الصبح (ڈھائی بجے) نیویارک کے لئے روانہ ہوئے جہاں ہم اسی تاریخ کی شام کو ساڑھے چار بجے پہنچ گئے (کوئی مغالطہ نہ ہو، ان چودہ گھنٹوں پر وقت کے فرق کی بنا پر دس گھنٹوں کا اضافہ کیجئے تو صحیح

مدّتِ سفر سامنے آئے گی، یعنی چوبیس گھنٹے!) عجیب بات ہے کہ راقم تو اس سال پھر ٹھیک ۴۲ دن سرزمین شمالی امریکہ پر بسر کرکے ۲۳ جون کو واپس روانہ ہوگیا (امریکہ کے پہلے سفر کی جو روداد راقم نے قلمبند کی تھی اس کا عنوان تھا، "امریکہ میں ۴۲ دن!") اور پانچ دن لندن میں قیام کرکے ۳۰ جون کی صبح کراچی اور اسی شام کو لاہور پہنچ گیا۔ البتہ عزیزم عاکف سعید کو احبابِ شکاگو نے روک لیا کہ رمضان میں ہمیں تراویح پڑھا کر جائیں۔ چنانچہ وہ وہاں اکتیسویں شب کو ختمِ قرآن کے بعد روانہ ہوئے اور راستے میں عمرہ سے مشرّف ہوتے ہوئے ٹھیک ایک ماہ بعد یعنی ۳۰ جولائی کو لاہور پہنچے!! بسم اللہ مجرٖیھا و مرسٰھا ... آئبون تائبون لربنا حامدون۔

امریکہ کے ۴۲ دنوں میں سے اس بار نیویارک میں تو جاتے ہوئے دو دن اور واپسی پر صرف چند گھنٹے رکنا ہوا۔ سب سے زیادہ وقت شکاگو میں لگا یعنی بیس دن، چار دن بلومنگٹن میں ایم ایس اے کنونشن کی نذر ہوئے، چھ دن لاس اینجلیز میں صرف ہوئے، سات دن ٹورنٹو میں گذرے، صرف دو دن مانٹریال کے لئے نکل سکے، اور صرف ایک دن واشنگٹن اور بالٹی مور کے کے علاقے کے احباب سے تجدیدِ ملاقات کے لئے نکل سکا۔

اس سفر کی روداد اور اس کے تاثرات کو تفصیلاً قلمبند کرنے کے لئے نہ وقت و فرصت ہی موجود ہے نہ ہی اس کی کوئی خاص ضرورت یا افادیت ہے۔ ویسے بھی اگرچہ علامہ اقبال نے تو مشرق و مغرب کے مابین ایک فرق یہ بھی بیان کیا ہے کہ: ع "وہاں دِگرگوں ہے لحظہ لحظہ یہاں بدلتا نہیں زمانہ!" لیکن وہاں کے بھی گذشتہ سال اور اس سال کے حالات میں اتنا لمبا چوڑا فرق نہیں ہے کہ "تاثرات" از سرِ نو بیان کرنے کی ضرورت ہو۔ تاہم اس بار تین باتیں ایسی نئی ہوئی ہیں جن کا ذکر یقیناً قارئینِ "میثاق" کی دلچسپی کا موجب ہوگا۔

ایک تو وہی ایم ایس اے کنونشن کی "سیر" ۔ جس پر اسمٰعیل میرٹھی کا یہ شعر ذرا سے تصرّف کے ساتھ خوب چسپاں ہوتا ہے کہ ؎ "دل میں شوق کا سودا دیکھا۔ وکنونشن ہم نے بھی جا دیکھا!" ۔ اس میں ہرگز کوئی شک

---

[1] گذشتہ دورے کی تفصیلی تاثرات و مشاہدات قسط وار اسی سال "میثاق" میں شائع ہو چکے ہیں (مرتب)

نہیں کہ یہ اجتماع امریکہ کے "نوآباد" مسلمانوں کی مذہبی اور ثقافتی زندگی کے ایک اہم مظہر کی حیثیت رکھتا ہے اور اگرچہ ایم ایس اے کے مخالفین تو اس پر "نیم مذہبی اور نیم سماجی میلے" یا اس سے بھی بڑھ کر "رشتوں کی منڈی" وغیرہ کی پھبتیاں چست کرتے ہیں لیکن راقم کی رائے میں اس کی افادیت اپنی جگہ مسلّم ہے — امریکہ ایسے "دیارِ غیر" میں تین چار ہزار کی تعداد میں مسلمانوں کا جمع ہونا بجائے خود ایک نہایت دل خوش کن اور مبارک بات ہے خصوصاً جبکہ شرکاء کی غالب اکثریت کا بھی کسی نہ کسی درجے میں دین و مذہب سے لگاؤ ہو اور کنونشن کے پروگراموں پر تو فیصلہ کُن چھاپ ہی دین کی ہو — افسوس کہ کارکنوں کے باہمی اختلافات اور قائدین کی رسّہ کشی سے گذشتہ چند سالوں کے دوران ایم ایس اے کی ساکھ اور شہرت کو شدید نقصان پہنچا ہے تاہم تقریباً پورے شمالی امریکہ (یو ایس اے اور کینیڈا) کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے اپنے وسیع تنظیمی ڈھانچے اور نہایت وسیع سلسلۂ مطبوعات کی بنا پر نوجوانوں کی یہ تنظیم امریکہ کے مقامی اور قدیم و جدید "نوآباد" مسلمانوں کی وقیع خدمت سرانجام دے رہی ہے — باہمی اختلافات اور رسّہ کشی کے اسباب کچھ تو وہی ہیں جو ہر جگہ ہوتے ہیں یعنی نمایاں کارکنوں کی شخصیتوں کا ٹکراؤ، اس پر مزید اضافہ ہوا ہے مختلف مسلمان ملکوں میں نظریاتی اور سیاسی کشمکش کے انعکاس سے اور اس جلتی پر تیل کا کام کیا ہے "پٹرو ڈالر" کی بارش نے — چنانچہ غالب کے "وہ جو ہر اندیشہ کی گرمی" کی مانند اختلاف کی شدّت کا عالم یہ ہے کہ ایم ایس اے کے مؤسسین میں سے ایک نہایت فعّال شخصیت، جو ایک طویل عرصے تک اُس کے "ٹاپ براس" میں شامل رہی ہے لیکن اب "معتوبین" کی فہرست میں شامل ہے، کی زبان سے راقم نے خود یہ سُنا کہ اِس کنونشن میں ایم ایس اے اور اس کے جملہ ذیلی تنظیموں کے نگران ادارے کی حیثیت سے جس عظیم تر تنظیم یعنی "اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ" کے قیام کا فیصلہ ہوا اُس کے INITIALS یعنی "ISNA" کو انہوں نے

"IN-BREADING OF THE SCHIZOPHRENICS AND NEO-PARANOIDS OF AMERICA"

کے مترادف قرار دیا۔ یعنی "امریکہ کے چند ذہنی عدم توازن اور احساس برتری کے شکار لوگوں کی انجمن امداد و استقرار باہمی"۔ ایم ایس اے پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ ہے کہ اُس پر صرف ایک 'ذہن' کا قبضہ ہے یعنی بلاد عرب کی 'الاخوان المسلمون' اور بلاد ہند و پاک کی 'جماعت اسلامی' کا جو درحقیقت ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ میری رائے میں اسی میں اِس تنظیم کے استحکام کا راز مضمر ہے۔ ورنہ اگر فعال شخصیتوں کے ٹکراؤ کے ساتھ ساتھ فکری اور نظریاتی رسّہ کشی بھی اس میں در آتی تو اس کا شیرازہ کبھی کا منتشر ہو چکا ہوتا۔ بہرحال اسی کا ایک مظہر یہ ہے کہ کنونشن میں مہمان مقررین صرف ان دو حلقوں سے بلائے جاتے ہیں اور کسی ایسے شخص کا اُس کے اسٹیج پر آنا ممکن نہیں ہے جو اُن میں سے کسی کے نزدیک کسی اعتبار سے 'ناپسندیدہ' ہو۔ چنانچہ اس سال کے مہمان مقررین میں نمایاں حضرات مصر کی اخوان المسلمون کے پروفیسر محمد قطب تھے جو آجکل سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد یوسف تھے، مدیر 'جسارت'، کراچی جناب صلاح الدین تھے اور نائب امیر کالعدم جماعت اسلامی پاکستان چودھری رحمت الٰہی تھے — راقم کے احباب نے اپنے خلوص اور جذبے کی تحت جو کوشش کی تھی اسے ناکام ہی ہونا تھا۔ سو وہ ناکام ہوئی — البتہ ایک روز فجر کی نماز کے بعد پروگرام کے مطابق جن صاحب کو درسِ قرآن دینا تھا وہ تشریف نہ لائے اور 'سرکاری' مقررین و مدرسین میں سے بعض دوسرے حضرات کے نام پکارنے پر معلوم ہوا کہ اُن میں سے بھی کوئی موجود نہیں ہے تو منتظمین کی جانب سے چار و ناچار راقم کو دعوت دی گئی۔ راقم کے لئے اس اچانک صورتِ حال کا سامنا کافی پریشان کن تھا اس لئے کہ مجمع اردو، انگریزی اور عربی بولنے والوں کا ملاجلا سا تھا اور درس یا خطاب انگریزی ہی میں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ راقم نے پہلے تو خیال کیا کہ معذرت کر لے لیکن پھر اپنے احباب کے جذبات و احساسات کے لحاظ کی وجہ سے :- سے "تاب لاتے ہی بنے گی غالب، مرحلہ سخت ہے اور جان عزیز!" کے مصداق کھڑے ہوتے ہی بنی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور سورۂ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کے مفاہیم پر

مشتمل تیس چالیس منٹ کا خطاب رہا۔ جسے احباب نے تو بہت ہی کامیاب قرار دیا لیکن میری رائے میں اس میں ان کی 'حوصلہ افزائی' کا تناسب واقعہ اور حقیقت سے زیادہ ہے!! — اس کے علاوہ کنونشن کے مین ہال کے باہر لاؤنج میں جہاں بہت سے اداروں کے اسٹال لگے ہوئے تھے وہاں ہمارے ساتھیوں نے 'انجمن خدام القرآن شکاگو' کا اسٹال بھی اہتمام کے ساتھ لگایا جہاں کتابوں اور کیسٹوں کی فروخت کے علاوہ وی سی آر کے ذریعے راقم کے دروس کی فلم مسلسل دکھائی جاتی رہی اور اس طرح ہماری دعوتِ قرآنی کا تعارف وسیع پیمانے پر ہو گیا — مزید برآں بعض مشاہیر بالخصوص مولانا محمد یوسف صاحب سے مفصّل ملاقاتوں کا موقع ملا جو میرے نزدیک اس کنونشن میں شرکت کا اصل حاصل ہے!!

دوسری نئی بات جو اس بار ہوئی وہ یہی راقم کا انگریزی زبان میں درس و خطاب کا 'حادثہ' ہے! راقم کی پوری زندگی برصغیر ہند و پاک کی فضا میں گذری ہے۔ اور اس کا بھی اکثر و بیشتر بحمد اللہ منبر و محراب، کے آس پاس بسر ہوا ہے۔ بیرونی سفر ہوئے بھی تو اکثر و بیشتر "ملا کی دوڑ مسجد تک" کے مصداق حج یا عمرے کے لئے دیارِ مقدس کے — سینتالیس برس کی عمر تک دیارِ مغرب میں صرف ایک بار جانا ہوا تھا اور وہ بھی صرف ایک ماہ کے لئے، چنانچہ انگریزی زبان میں تقریر کا تو کیا سوال کبھی گفتگو کا موقع بھی نہیں ہوا۔ چنانچہ اس معاملے میں راقم کی جھجک کا عالم یہ رہا ہے کہ امریکہ کے گذشتہ دو دوروں کے دوران کسی کو فون کرنے سے بھی صرف اس لئے کتراتا تھا کہ معلوم دوسری جانب سے کون ریسیور اٹھائے اور کسی آپریٹر وغیرہ سے انگریزی میں گفتگو کرنی پڑ گئی تو مصیبت بن جائے گی۔ دوسری طرف احباب کا شدید تقاضا تھا کہ دروس و خطابات کا سلسلہ انگریزی میں بھی شروع کیا جائے۔ بصورتِ دیگر یہاں کے غیر مسلموں تک تو دعوت پہنچانے کا سوال ہی کیا ہے، مقامی مسلمانوں کے علاوہ لاتعداد عربوں، ترکوں، ایرانیوں، اور افریقہ، انڈونیشیا اور ملائیشیا وغیرہ کے مسلمان "نو واردوں" سے بھی کوئی رابطہ قائم نہ ہو سکے گا۔ بلکہ اس

سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود ہندو پاکستان کے اردو بولنے والے "تازہ وارِدانِ بساطِ ہوائے دل" کی نوجوان نسل بھی بالکل محروم رہے گی اس لئے کہ وہ بھی صرف گھریلو استعمال کی اردو سے واقف رہ گئی ہے۔ علم و ادب سے اس کا ذہنی رابطہ بھی اردو کے حوالے سے بالکل نہیں ہے اور فی الوقت مسلمانانِ امریکہ کا اصل مسئلہ اسی نوجوان نسل کا ہے، — راقم کو احباب کے ان دلائل سے تو انکار نہ تھا لیکن "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا" کی قرآنی دلیل کے سہارے انگریزی میں خطاب کی کوشش سے اُس کا انکار علیٰ حالہٖ قائم رہا۔ چنانچہ گذشتہ دو دَوروں کے دوران راقم نے انگریزی زبان میں یا تو جمعہ کے خطبے لکھ کر پڑھے تھے یا ایک مقالہ "پندرھویں صدی ہجری:- اس کا چیلنج، توقعات اور اندیشے" کے موضوع پر پڑھ کر سنایا تھا — اس سال ایک تو جاتے ہی شکاگو کے احباب بالخصوص ڈاکٹر خورشید احمد ملک صاحب نے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا (چنانچہ اتوار ۱۷ مئی ہی کو قبل از نماز ظہر ایم سی سی میں انگریزی میں ایک "منہ زبانی تقریر ہو گئی تھی) دوسرے ایم ایس اے کنونشن کے موقع پر بلومنگٹن میں مذکرہ بالا 'حادثہ' پیش آگیا۔ اُسے امریکہ کے رفقاء احباب نے جس طرح -
کیا اُس کا اندازہ ڈاکٹر نسیم اللہ خان (پی ایچ ڈی) صدر انجمن خدام القرآن، ٹورنٹو (کینیڈا) کے اس خط سے لگایا جا سکتا ہے:-

" ۲۶ - مئی ۱۹۸۱ء

السلام وعلیکم - آج صبح خورشید سے فون پر گفتگو ہوئی - اُمید ہے ان کی اور میری اور یہاں کے بہت سے احباب کی درخواست منظور کرتے ہوئے آپ یہاں کا سارا پروگرام انگریزی ہی میں کریں گے۔

یہاں کے سارے دینی کاموں میں تفرقہ بندی کی ایک وجہ زبان بھی ہے - سارا دینی مواد اُردو یا عربی میں ہے - انگریزی کی کتب ایسی نہیں ہیں جنہیں حلقوں کا نصاب بنایا جا سکے -

ہم اپنی ہفتہ وار مجلسوں میں آپ کے اردو دروس کے ٹیپ کے بعد انگریزی میں خلاصہ بیان کرتے ہیں - لیکن اصل ٹیپ اردو

ہیں ہونے کے باعث ہم مقامی، عرب، ایرانی اور دیگر مسلمانوں میں دعوت کے کام کو بہت سست پاتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے امسال بلومنگٹن میں جو غیر متوقع موقعہ پیدا کیا اُس سے انشاء اللہ اب آپ کی انگریزی کی جھجک ہمیشہ کے لئے نکل گئی ہوگی۔ کیا معلوم اللہ تعالےٰ نے اس تحریک کو عالمی تحریک بنانے کے لئے یہ موقع بہم پہنچایا ہو!"

والسلام، خاکسار نسیم"

بہرحال احباب کی اس نوع کی یقین دھانیوں اور حوصلہ افزائیوں سے تقویت پاکر اور خود اپنی جگہ پر بھی اسے ایک اشارۂ غیبی سمجھتے ہوئے راقم نے انگریزی میں درس وخطاب کے لئے کمر کس لی۔ چنانچہ اس سال شکاگو اور ٹورنٹو میں اگرچہ درس قرآن کا اصل سلسلہ تو اُردو ہی میں رہا جس میں مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے جو اسباق گذشتہ دو سالوں کے دوران ٹورنٹو اور شکاگو کے سلسلہ درس میں رہ گئے تھے ان میں سے اکثر کی تکمیل ہوگئی (اور اس طرح تقریباً پورے منتخب نصاب کے دروس کے کیسٹ مقامی طور پر تیار ہوگئے) تاہم ان دونوں مقامات پر بھی متعدد درس اور خطاب انگریزی میں ہوئے اور لاس اینجلز میں تو تقریباً پورے کا پورا پروگرام ہی انگریزی میں ہوا

جس میں منتخب نصاب میں شامل دو اہم سورتوں یعنی سورۂ صف اور سورۂ جمعہ کے کامل اور سورۂ حجرات اور سورۂ شوریٰ دونوں کی آیات ۱۳ تا ۱۸ کے دروس شامل ہیں۔ (ان کو آج کل ایک امریکی نومسلم دوست عبداللہ مصطفیٰ ٹیپ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر رہے ہیں، اگر مناسب سمجھا گیا تو ان سب کو یکجا شائع کر دیا جائے گا!) بہرحال اس معاملے میں راقم خود حیران ہے کہ ایک شخص جسے انگریزی میں گفتگو میں بھی تکلّف ہوتا ہے اُس نے ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹے کے خطاب انگریزی میں کیسے کر لئے! - لیکن یہ بھی اغلباً وہی لگن اور دُھن والا معاملہ ہے جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے اور جو بسا اوقات ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے!!

حالیہ سفر کا تیسرا نیا اور اہم واقعہ امریکہ کے افریقی الاصل مسلمانوں کی سب سے بڑی اور سب سے منظم جماعت کے ساتھ باقاعدہ رابطہ اور اُس کے قائد و امام وارث دین محمد سے مفصل ملاقات ہے ـــــ راقم کا رابطہ اپنے پہلے دورے ہی میں بالٹی مور میں اس گروپ کے لوگوں سے ہوگیا تھا اور وہاں "مسجد محمد" میں راقم نے خطاب بھی کیا تھا ـــ اس وقت بھی معلوم ہوا تھا کہ اُن کا مرکز شکاگو میں ہے اور ان کے امام سے ملنا آسان کام نہیں ہے - دوسرے دورے میں بھی یہی معلوم ہوا کہ اُن سے ملاقات کے لئے خاصے ہفت خواں طے کرنے پڑتے ہیں ـــ لیکن اس سال "تیسیر" خداوندی سے جس آسانی سے اور جسقدر مفصل ملاقات ہوئی اس پر شدید حیرت ہوتی ہے ـــ اور سورۂ یوسف کے ان الفاظ مبارکہ کے سوا اور کوئی توجیہہ سمجھ میں نہیں آتی کہ "وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ"

یہ ملاقات عبدالحمید ڈوگر صاحب کے مکان پر ان ہی کے توسط سے ہوئی اور راقم حیران رہ گیا جب اُس نے دیکھا کہ جو کچھ سننے میں آیا تھا اُس کے بالکل برعکس امام صاحب بغیر کسی ظاہری شان و شوکت کے اپنے ایک چودہ پندرہ سالہ بچے کے ہمراہ خود ہی کار چلاتے ہوئے ڈوگر صاحب کے مکان پر آگئے - جہاں ہم نے ساتھ ہی کھانا بھی کھایا، ساتھ ہی مغرب کی نماز بھی پڑھی جس میں میرے اصرار کے باوجود وہ 'امامت' کے لئے آگے نہیں بڑھے بلکہ اُن کے اصرار پر امامت مجھے ہی کرنی پڑی - راقم نے انہیں ایک دھیمے مزاج کا حامل اور ذہین و فہیم انسان پایا - جس سے ان کی پوری کمیونٹی کے مستقبل کے بارے میں اچھی امیدیں پیدا ہوئیں - میں نے اپنے پانچ انگریزی کتابچوں کا سیٹ بھی اُن کی خدمت میں ہدیتہً پیش کیا ان الفاظ کے ساتھ کہ "آپ کے پاس ان کو 'پڑھنے' کا وقت تو یقیناً نہیں ہوگا - ذرا 'ورق گردانی' کر جائیے گا!" جس کا انہوں نے وعدہ کیا ـــ انہوں نے میرے پروگرام کے بارے میں دریافت کرکے وعدہ کیا کہ ہفتہ ۳۰ مئی کو ایم سی سی میں میری تقریر میں شرکت کریں گے ـــ یہ بات بھی اپنی جگہ بہت غیر معمولی تھی، اب تک سننے میں یہی آیا تھا کہ وہ خود تو کئی کئی گھنٹے تقریر کرتے

ہیں لیکن کسی اور کی تقریر سننا کسرِ شان سمجھتے ہیں ــــ لیکن جمعہ کے روز پیغام ملا کہ ایک شدید مصروفیت کے باعث وہ خود تو نہیں آسکیں گے البتہ مجھے دعوت ہے کہ اتوار کو بعد ظہر ان کے ہفتہ وار مرکزی اجتماع سے خطاب کروں، یہ بات وہاں کے جملہ رفقاء و احباب کے لئے حد درجہ حیران کن تھی۔ اس لئے کہ یہ حضرات اپنے اسٹیج پر کسی دوسرے شخص کو کبھی نہیں آنے دیتے ــــ بہرحال اتوار ۱۳ مئی کو شکاگو کے سٹونی آئی لینڈ (STONY ISLAND) میں واقع ان حضرات کے مرکز میں بعد نماز ظہر راقم نے ایک گھنٹہ خطاب کیا جس میں موقع کی مناسبت سے سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ ہی کے مطالب بیان کئے گئے۔ الحمد للہ کہ تمام مجمع نے نہایت سکون اور توجہ کے ساتھ بات سنی اور میں خود یہ محسوس کر رہا تھا کہ "از دل خیزد بر دل ریزد!" والا معاملہ ہو رہا ہے ــــ "ذالك فضل الله يؤتيه من يشاءُ والله ذو الفضلِ العظيم" !! امام وارث وہاں بنفس نفیس موجود تھے۔ بعد میں انہوں نے مختصر سے خطاب میں میرا شکریہ بھی ادا کیا۔ نیز ان پانچ کتابچوں کے بارے میں فرمایا کہ میں نے ان سب کو اچھی طرح پڑھا ہے اور بہت مفید پایا ہے اور ہم ان شاء اللہ ان کتابچوں کو خود شائع کریں گے ــــ اس ضمن میں یہ تو میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ہمارا ان پر کوئی حقِ طباعت و اشاعت محفوظ نہیں ہے ــــ اس وقت مزید یہ اضافہ بھی کر دیا کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کو اجازت ہے کہ ان پر مصنف کی حیثیت سے میرا نام بھی شائع نہ کریں ــــ بہرحال یہ ایک اہم پیشقدمی ہے جو خالصۃً اللہ کے فضل و کرم اور بالکلیہ اُسی کی تدبیر و تصریف سے حالیہ دورے میں ہوئی۔ اس سے اگر کوئی خیر کی راہ نکلی تو وہ سراسر اُسی کے لطف و کرم کا مظہر ہوگی ــــ اور اگر ہم کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے تو یہ کلیۃً ہماری نااہلی اور کوتاہی ہوگی۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَتَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم ۝

---

امریکہ سے واپس آتے ہوئے اس سال پانچ روز کا قیام لندن میں بھی رہا۔ وہاں راقم کا پورے دس سال بعد جانا ہوا تھا۔ پہلے پاکستان اور سعودی عرب

سے لندن جانا ہوا تھا تو لندن بہت عظیم شہر معلوم ہوا تھا اب امریکہ سے وہاں آمد ہوئی تو اُس کے مقابلے میں وہ گاؤں سا نظر آیا۔ وہاں پانچ روز برادرم صہیب حسن سلمہٗ کی شب و روز معیّت میں ملاقاتوں اور درس وخطاب کی مجلسوں میں گذرے اُن کی داستان بجائے خود بہت طویل ہے۔ وہ ان شاءاللہ آئندہ کسی صحبت میں گوش گذار ہو گی۔

پاکستان واپسی ہوئی تو ایک تو بفضلہٖ تعالےٰ "الھُدیٰ" کی مقبولیت کا چرچا سننے میں آیا۔ بالخصوص اس خبر کے حوالے سے کہ درمیان میں اخبارات میں کہیں یہ اطلاع آ گئی تھی کہ یہ پروگرام آئندہ سہ ماہی میں بند کر دیا جائے گا۔ اور اس کی جگہ کوئی اور مذہبی پروگرام، ہوگا تو اس پر تاروں اور خطوں کا سیلاب آ گیا جس کا ذکر ایک سے زائد بار ٹیلی ویژن کے پروگرام "اپنی بات" میں بھی ہوا۔ اس کے علاوہ نجی گفتگوؤں اور خطوط وغیرہ میں جو تأثرات سامنے آئے ان پر اللہ تعالےٰ کا شکر قلب کی گہرائیوں سے نکلا اور ساتھ ہی بحمداللہ یہ احساس بھی شدّت کے ساتھ ہوا کہ اس میں میرا ہرگز کوئی کمال نہیں، یہ سب اللہ کی کتاب کا اعجاز اور اس کی قوتِ تسخیر کا مظہر ہے۔ یہ فوری حیرت کا معاملہ صرف اس لئے ہے کہ بدقسمتی سے ہم نے اس کتاب کو بالکل بند کر کے طاقِ نسیان پر رکھ چھوڑا تھا۔ اب جو اُس کے علوم و معارف کا قدرِ قلیل لوگوں کے سامنے آیا تو اُس سے بھی وہ متحیّر و مبہوت ہو کر رہ گئے۔ یقیناً مسلمانوں نے اللہ کی کتاب کا حقِ تبلیغ و تبین کسی درجے میں بھی ادا کیا ہوتا تو وہ اس ذلّت و رسوائی سے دوچار نہ ہوتے جو فی الوقت ان کا مقدر بن گئی ہے۔

بقول علاّمہ اقبال مرحوم :۔

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اورے خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی!

اے چو شبنم بر زمیں افتندہٖ
در بغل داری کتابِ زندہٖ

بہرحال اس صورتِ حال میں خود میرے لئے جو فتنہ مضمر ہے الحمدللہ کہ میں اس پر پورے طور سے متنبّہ ہوں۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک

حدیث مبارکہ میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جس شخص کی جانب اشارے ہونے لگیں وہ سخت خطرات سے دوچار ہو جاتا ہے "الھُدیٰ" چونکہ پورے ملک میں دیکھا جا رہا ہے اور یہ "بالتصویر" ہوتا ہے لہٰذا صورت یہ بن گئی ہے کہ جہاں جانا ہوتا ہے اشارے ہونے لگتے ہیں - میں اللہ ہی کی پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ "اعجاب المرء بنفسہٖ" کے فتنے میں مبتلا ہو جاؤں جسے آنحضورؐ نے تین "مہلکات" میں شمار فرمایا ہے اس صراحت کے ساتھ کہ "ھِیَ اَشَدُّھُنَّ" قارئین "میثاق" سے بھی استدعا ہے کہ وہ بھی راقم کے حق میں اس کی دُعا کرتے رہیں -

دوسرے ۱۴ اگست کی صبح اخبار دیکھا تو حکومت کی جانب سے خطابات کی فہرست میں "ستارۂ امتیاز" کے ضمن میں اپنا نام بھی نظر آیا - اور پھر مبارکباد کے تاروں، ٹیلیفونوں اور خطوں کا تانتا بندھ گیا - اس ضمن میں راقم کے جو قلبی احساسات و جذبات ہیں ان کا اندازہ اُس خط سے ہو سکتا ہے جو راقم نے شکریہ ادا کرنے کے لئے صدر مملکت کو لکھا ہے — وَھُوَ ھٰذا:

"محترم و مکرّم جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب
چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر و صدر پاکستان
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے -

آپ نے اس ناچیز کو "ستارہ امتیاز" عطا فرمایا - واقعہ یہ ہے کہ یہ آپ کی ذرّہ نوازی ہے - ورنہ "من آنم کہ من دانم!!" خصوصاً عالم دین ہونے کا تو میں سرے سے مدّعی ہی نہیں ہوں - میری اصل حیثیت قرآن حکیم کے ایک ادنیٰ سے طالب علم کی ہے اور زیادہ سے زیادہ حیثیت اس کے ایک خادم کی — اسے میں "زیادہ سے زیادہ" اس لئے قرار دے رہا ہوں کہ میرے نزدیک واقعتہً اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی بندے کا سب سے بڑا اعزاز و اکرام یہی ہے کہ وہ اُسے اپنی کتابِ عزیز کی خدمت کی توفیق عطا فرما دے - اس لئے کہ اس میں ایک ادنیٰ سی مناسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس شانِ جلالت

نشان سے قائم ہو جاتی ہے جو سورۃ قصص کی آیت ۸۵ میں وارد شدہ الفاظِ مبارکہ "اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ" میں بیان ہوئی ہے۔

بہرحال یہ سراسر اُسی کا احسان ہے کہ اس بندۂ ناچیز کو اس نے اس خدمت کے لئے قبول فرمالیا۔ ؎

منّت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منّت شناس ازاو کہ بخدمت گذاشتت!

میرے دل میں آپ کے اس 'عطیہ' پر آپ کی قدر و منزلت میں خصوصی اضافہ اس لئے بھی ہوا کہ میرا رویّہ آپ کے لئے ہمیشہ چاپلوسی اور خوشامد کے بالکل برعکس تنقید و تنبیہ کا رہا، جس میں کبھی کبھی میں نے خود بھی محسوس کیا کہ قدرے تندی اور تیزی بھی آئی — اس سب کے باوصف اگر آپ میرا اعزاز و اکرام فرما رہے ہیں تو یقیناً یہ آپ کی عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کی دلیل ہے ۔۔۔"

---

پاکستان ٹیلیویژن کے تمام اسٹیشنوں سے گذشتہ تین سالوں کے دوران تو رمضان المبارک میں مسلسل پورے مہینے میرے ہی پروگرام چلتے رہے تھے۔ یعنی پہلے دو سال "الکتاب" اور تیسرے سال "الٓمٓ"۔ اس سال رمضان المبارک کے دوران دینی اور مذہبی پروگرام بلاشبہ پہلے سالوں سے زیادہ رہے لیکن میں چونکہ آغازِ ماہِ مبارک سے دو دن پہلے ہی بیرونی سفر کر کے واپس پہنچا تھا اور ویسے بھی میری طبیعت اب "الھدیٰ" کے سوا کسی اور پروگرام پر بمشکل ہی آمادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا ان میں میرا حصّہ بہت کم رہا۔ تاہم لاہور ٹی وی سے جو پروگرام "اسمائے ربّانی" کے عنوان سے ہوا اُس میں چھ یوم کا پروگرام میرا رہا — اور آل پاکستان سطح کے پروگرام "القرآن" میں سے بھی طبیعت کی شدید عدم آمادگی کے باوجود دو پروگرام خصوصی فرمائش پر کرنے پڑے ایک[1] "اکل حلال" کے موضوع پر (جو بحمداللہ اس درجہ پسند کیا گیا کہ 'چاند رات' کو اسے دوبارہ بھی ٹیلی کاسٹ کیا گیا) اور دوسرا[2] "بنیادی حقوق" کے موضوع پر — اس میں احترامِ جان کے ضمن میں راقم نے فقہِ اسلامی کا متفق علیہ مسئلہ بیان کیا کہ کسی بھی انسان کی جان صرف چار حالتوں

میں لی جاسکتی ہے : (۱) قتلِ عہد کی سزا کے طور پر (جبکہ مقتول کے ورثاء نہ معاف کرنے پر آمادہ ہوں نہ خون بہا لینے پر) (۲) شادی شدہ زانی اور زانیہ کا قتل بشکلِ رجم (۳) مرتد کا قتل اور (۴) حربی کافر کا قتل ـــــ اس پر جدید آزادی پسند اذہان کی جانب سے بالکل متوقع طور پر اختلافی و تنقیدی خطوط کا ایک سیلاب اخبارات میں آگیا۔ جس میں قتلِ مرتد اور رجم کی حدود، کے بارے میں سب سے بڑا اعتراض یہ اٹھایا گیا کہ قرآن حکیم سے ان کا ثبوت نہیں ملتا۔ ان خطوط میں اِدھر اُدھر کی جو دوسری باتیں کہی گئیں اُن سے تو راقم نے اعتناء نہیں کیا لیکن اپنے ایک خط میں (جو بحمد اللہ پاکستان ٹائمز میں نمایاں طور پر شائع ہوگیا تھا) راقم نے اس بات کی وضاحت کے ساتھ صراحت کردی کہ:۔

"میرے تمام ناقدین نوٹ فرمالیں کہ میں جس اسلام کا قائل ہوں اور جس پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں وہ صرف قرآن پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن کے ساتھ ساتھ سُنّتِ رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) سُنّتِ خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم اجمعین)، اجماعِ اُمّت مسلمہ کے تواتر عمل پر بھی مبنی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اس ضمن میں وہ نکتہ جو بڑے ہی نکتہ نوازانہ انداز میں بیان ہوتا ہے یعنی یہ کہ اگر یہ کہا جائے کہ سنّتِ رسولؐ بھی قانونِ اسلامی کا لازمی منبع و سرچشمہ ہے تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ قرآن "مکمل" کتاب نہیں ہے، اس کے ضمن میں الحمدللہ کہ راقم کی زبان سے "الھُدیٰ" کے ایک پروگرام میں حسبِ ذیل الفاظ ادا ہوگئے جس سے اُمید ہے کہ بہت سے لوگوں کو اطمینان حاصل ہوا ہوگا کہ:۔

"قرآن حکیم اپنی جگہ یقیناً کامل ہے اور کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں لیکن ہم اُس کے صحیح فہم کے لئے سنّتِ رسولؐ کے محتاج ہیں!"

اللہ تعالےٰ ہم سب کو ہر نوع کی ذہنی و فکری اور اخلاقی و عملی گمراہیوں سے محفوظ رکھے! آمین یاربّ العٰلمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین ٥

# شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک

## ڈاکٹر اسرار احمد

جمعرات ۲۷ر اگست ۸۱ء کی شام کو میری تیسری بچی کا عقدِ نکاح اپنے چچازاد کے ساتھ بفضلہٖ تعالےٰ بخیر و خوبی انجام پایا۔ اس تقریب کی مختصر روداد یہ ہے کہ اس کے لئے میں نے صرف ایک اخباری اعلان پر اکتفا کیا تھا[1] جس میں یہ صراحت بھی موجود تھی کہ اس موقع پر کسی خورد و نوش کا کوئی اہتمام نہیں ہوگا۔ اپنے قریب ترین اعزہ میں سے بھی کسی کو میں نے تعین کے ساتھ (BY NAME) مدعو نہیں کیا تھا۔ مغرب کی نماز سے آدھ گھنٹہ قبل 'جامع القرآن' یعنی قرآن اکیڈمی (۳۶ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور) کی جامع مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر مصری قرأت کا ایک ریکارڈ لگا دیا گیا۔ مہمان آتے رہے اور نہایت ادب اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر استماعِ قرآن میں مشغول ہوجاتے رہے۔ اسی خاموشی کے ساتھ دولہا اور اس کے ساتھ والے لوگ بھی آئے اور بیٹھ گئے۔ بعدازاں نماز ہوئی جس کے بعد میں نے پندرہ بیس منٹ خطاب کیا، پھر خطبۂ نکاح پڑھا اور خود ہی ایجاب و قبول کا مرحلہ طے کرادیا مزید براں حاضرین کی جانب سے خود ہی اپنے آپ کو مبارکباد دے کر اور خود ہی اُسے قبول کرکے مجلس کے خاتمے کا اعلان کردیا تاکہ کسی تاخیر کے بغیر معمول کے مطابق درسِ قرآن شروع ہوسکے۔ بعدازاں کوئی پانچ سات منٹ چھوہاروں کی تقسیم میں لگے اور اس کے بعد درسِ قرآن کا آغاز ہوگیا ـــــ بچی بھی مہمان خواتین کے ہمراہ مسجد کے زنانہ ہال میں موجود تھی، اُسے وہیں سے اُس کے بڑے

---

[1] اس لئے کہ میرے نزدیک دورِ حاضر میں نبی اکرمؐ کے فرمانِ مبارک :-
"اَعلِنُوا هٰذَا النِّكَاح" (نکاح کا اعلانِ عام کیا کرو!) پر عمل کی موزوں ترین صورت یہی ہے !!

بھائیوں نے دولھا کے ساتھ رخصت کر دیا - اور اس طرح یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔
اس پر انگریزی روزنامے "پاکستان ٹائمز" نے بھی "AN AUSTERE MARRIAGE" کا چوکھٹا نمایاں طور پر لگایا[1] اور جناب م۔ ش نے تو اپنی ڈائری میں رنوائے وقت ۳۰ راگست ۱۹۸۱ء) مجھے خوب ہی کانٹوں پر گھسیٹا اور "ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے !" کی سرخی جمائی[2] - اب جب کہ اس طور سے "رسوائی" ہو ہی گئی ہے اور یہ معاملہ لوگوں کے علم میں آ ہی گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کسی قدر مزید تفصیل سے روشنی ڈال دی جائے - کیا عجب کہ اس سے لوگوں کو کوئی عملی رہنمائی حاصل ہو جائے!

شادی بیاہ کی تقریبات اور لوازمات و رسومات کے روز افزوں طومار نے جس طرح ایک سماجی برائی کی شکل اختیار کر لی ہے اس کا شدید احساس ہر صاحب نظر اور ملک و ملت کا درد رکھنے والے انسان کو ہے - امیروں کے لئے تو یہ تقریبات و رسومات صرف "چونچلوں" یا پھر اپنے "کالے دھن" کے نمائش و اظہار کے ذرائع کی حیثیت رکھتی ہیں - لیکن عوام کی اکثریت کے لئے یہ ناقابلِ برداشت بوجھ یا بالفاظ دیگر پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کا طوق بن گئی ہیں - جن کے باعث شادی میں تاخیر ہوتی ہے اور اس 'ام الخبائث' (شادی کی تاخیر) کے بطن سے اخلاقی اور نفسیاتی امراض کا ایک لامتناہی سلسلہ جنم پاتا چلا جاتا ہے -

قرآن حکیم میں سورہ اعراف کی آیت ۱۵۷ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کے ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بلند و بالا شانیں بیان ہوتی ہیں - ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو ناقابلِ برداشت بوجھوں اور ان طوقوں سے نجات دلائیں گے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوں گے (وَ يَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ) لہٰذا آپؐ کے نقشِ قدم پر چلنے کی خواہش اور آپؐ کے طریق کار پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کی اصلاح کا داعیہ رکھنے والوں کا فرضِ عین قرار پاتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان بوجھوں سے نجات دلانے کی کوشش کریں خواہ اس میں ان کو کیسی ہی تکالیف اٹھانی پڑیں اور کتنی ہی مشکلات کا سامنا ہو -

---

[1] ٹائیٹل کے تیسرے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے - [2] صفحہ ۱۱۹ پر ملاحظہ فرمائیے -

اس ضمن میں جہاں تک 'سادگی' کے وعظ کا تعلق ہے تو وہ تو عام طور پر کہنے اور سننے میں آتا ہی رہتا ہے اور بسا اوقات دقتی اور فوری طور پر اس کا اثر بھی سامعین شدّت سے محسوس کرتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا کوئی عملی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ بادنیٰ تامل سمجھ میں آجاتی ہے۔ یعنی "سادگی" ایک مبہم اور اضافی لفظ ہے جس کا کوئی معیّن مفہوم نہیں ہے۔ غرباء کے لئے اس لفظ کے معنی کچھ اور ہیں اور امراء کے لئے بالکل اور!! تو جس اصلاحی کوشش کی بنیاد ایسے مبہم اور غیر معیّن تصوّر پر ہوگی اس کا حاصل و نتیجہ پیشگی ظاہر ہے۔

راقم الحروف کو اس مسئلے کے ساتھ عملی سابقہ اوّلاً اُس وقت پیش آیا جب ۱۹۶۶ء میں راقم نے لاہور میں 'دعوت رجوع القرآن' کا آغاز کیا اور درس و مطالعۂ قرآن حکیم کے حلقے قائم کئے۔ ان حلقوں کے ذریعے جو لوگ راقم کے قریب آئے، ان میں فطری طور پر راقم کے ساتھ حسنِ ظن اور ایک گونہ عقیدت، پیدا ہونی شروع ہوئی جس کے نتیجے میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ 'نکاح خوانی' کی فرمائشیں بھی آنی شروع ہوئیں۔ ابتدا میں تو میں نے اس سے احتراز کرنے کی کوشش کی لیکن جب فرمائشوں نے تقاضوں اور مطالبوں کی صورت اختیار کی تو چار و ناچار گھٹنے ٹیک دینے پڑے اور اپنے رفقاء و احباب کے بچّوں اور بچیّوں کے نکاح پڑھانے کا سلسلہ شروع کرنا پڑا۔

اس سلسلے میں اوّلین بات تو میرے سامنے یہ آئی کہ ہم نے 'خطبۂ نکاح' کو محض "جنتر منتر" بنا کر رکھ دیا ہے۔ حالانکہ خطبے کی اصل غرض و غایت، تذکیر و نصیحت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کو 'خطبۂ جمعہ' کے ساتھ "خطابِ جمعہ" کا اضافہ کرنا پڑا تاکہ خطبۂ جمعہ کی اصل غرض و غایت اگر خود اس سے حاصل نہ ہو رہی ہو تو عربی زبان کے مقولے "مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ" کے مطابق اُس سے یکسر محرومی قبول نہ کی جائے بلکہ اُسے اضافی خطابِ جمعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت میں نے 'خطبۂ نکاح' سے قبل 'خطاب' کا سلسلہ شروع کیا جس میں ان آیات و احادیث کی مختصر

تشریح بھی ہوتی تھی جو نکاح کے مسنون خطبے میں شامل ہیں اور کچھ عمومی دعوت و نصیحت بھی ہوتی تھی۔ اور خاص طور پر حدیث مبارکہ "اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ" کے ضمن میں جہاں رہبانیت کی نفی ہوتی تھی وہاں سنّت کا وسیع تر تصور بھی سامنے رکھا جاتا تھا اور آخر میں نہایت زور دے کر کہا جاتا تھا کہ "اتباعِ سُنّت" کے پہلے قدم کے طور پر کم از کم شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات کے ضمن میں تو ہمیں یہ طے کر ہی لینا چاہیئے کہ ان میں سے صرف وہی چیزیں باقی رکھی جائیں جن کا ثبوت آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مل جائے اور باقی تمام بعد کی ایجاد کردہ یا باہر سے درآمد شدہ رسومات کو پوری ہمت اور جرأت کے ساتھ پاؤں تلے روند دیا جائے[1]!! مثلاً یہ کہ نکاح مسجد میں ہونا چاہیئے۔ جہیز اور بری وغیرہ کی نمائش بالکل نہیں ہونی چاہیئے۔ گھروں کی تزئین و آرائش اور بالخصوص روشنی وغیرہ پر اسراف سے بچنا چاہیئے۔ اور دعوتِ طعام صرف ایک ہونی چاہیئے۔ یعنی "دعوتِ ولیمہ"۔ لڑکی والوں کی جانب سے نکاح کے موقع پر دعوتِ طعام کا سلسلہ بالکل بند ہونا چاہیئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مسلسل پانچ چھ برس تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا کہ لوگ یہ باتیں سُن کر نگاہیں نیچی کر لیتے تھے، فوری تاثر کے آثار بھی ان کے چہروں پر ظاہر ہوتے تھے۔ بعد میں بہت سے لوگ اس "وعظ" کی تائید و تصویب ہی نہیں تحسین بھی فرماتے تھے۔ لیکن جب موقع آتا تھا تو "زمین جنبد نہ جنبد گُل محمد" کے مصداق پر نالہ وہیں گرتا تھا اور بالکل ایسے محسوس ہوتا تھا کہ بیل گاڑی کا اس "لیک" سے ہٹنا تقریباً ناممکن ہے۔ تا آنکہ ۱۹۷۳ء کے اواخر میں میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد انگلینڈ سے پی ایچ ڈی کی تکمیل کر کے واپس آگئے اور ان کی شادی کا مرحلہ آیا۔ وہ ہم تمام بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں گویا ہمارے خاندان کی ایک نسل کی سطح پر یہ آخری شادی تھی۔ میں نے اس موقع پر ایک فیصلہ کن اقدام کا

---

[1] یہ بات بہت قابل توجہ ہے اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ "اصلاح الرسوم" کیلئے واحد ممکن اور ٹھوس بنیاد صرف اور صرف "اتباعِ سُنّت" کا اصول ہے اس کے سوا جو کوشش کی جائیگی وہ اُسی طرح غیر موثر ہو کر رہ جائے گی جس طرح "سادگی" کا وعظ!!

عزم کیا۔ اس لئے کہ میرے سامنے معاملے کی صورت یہ آئی کہ جو کچھ دوسروں کو بطور نصیحت کہتے رہے ہو اب یا تو خود اُس پر عمل کر کے دکھاؤ ورنہ ان باتوں کا کہنا چھوڑ دینا چاہیئے گویا بقول علامہ اقبال ؎ "یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر!" خوش قسمتی سے جہاں رشتہ طے پایا تھا وہ خود بہت پختہ دینی مزاج کے حامل لوگ تھے۔ گویا اصل مسئلہ اللہ تعالےٰ نے پہلے ہی حل کر دیا تھا۔ چنانچہ بحمداللہ کوئی دقت پیش نہ آئی اور جوں ہی میں نے ان کے سامنے پورا معاملہ رکھا، انہوں نے برضا و رغبت آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اگرچہ بعد میں بعض دوسرے اعزہ و اقارب نے معاملے کو سخت ردّ قدح اور طعن و استہزا کا موضوع بنایا اور کسی قدر تلخی بھی پیدا ہو گئی تاہم بحمداللہ یہ شادی ٹھیٹھ سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہوئی اور اس طرح بفضلہٖ تعالےٰ 'CHARITY BEGINS AT HOME' والا معاملہ ہو گیا۔!

اس مرحلے پر پہلے اقدام کے طور پر راقم نے تین چیزوں پر زور دینے کا فیصلہ کیا ایک یہ کہ نکاح مسجد میں منعقد ہو۔ دوسرے یہ کہ لڑکی والوں کی طرف سے کوئی دعوتِ طعام نہ ہو اور تیسرے یہ کہ 'بارات' کا تصور بالکل ختم کر دیا جائے۔ ان تینوں کی وضاحت کے ضمن میں جو مختصر تحریر راقم کے قلم سے نکل کر 'میثاق' لاہور کی اشاعت بابت فروری ۱۹۷۴ء کے 'تذکرہ و تبصرہ' کے صفحات میں شائع ہوئی (اور جو بعد میں ایک علیحدہ چار ورقے کی صورت میں طبع ہو کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم ہوئی) من و عن

"۱۔ جہاں تک نکاح کی تقریب کے مساجد میں انعقاد کا معاملہ ہے وہ ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ اکثر لوگ اس پر جلد ہی راضی ہو جاتے ہیں اس لئے کہ بات بڑی واضح ہے ۔۔۔ چنانچہ بہت سے مواقع پر جب دو باتیں (جن کا ذکر آگے آئے گا) اس ضمن میں کہی گئیں تو واقعہ یہ ہے کہ جملہ حاضرین کی پیشانیاں عرقِ ندامت سے نم ہو گئیں۔ اور ان کے چہروں پر حقیقی تاثر کے اثرات نمایاں ہو گئے۔ ایک یہ کہ جب تاجدارِ عالم اور محبوبِ ربّ العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر اور دُخترِ نیک اختر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا نکاح مسجد میں ہوا تو ہم میں سے کون ہے جو اپنے آپ کو آنحضورؐ

سے زیادہ باعزت یا اپنی بیٹی کو سیدۃ نساءِ اہل الجنۃ سے افضل سمجھتا ہو اور اُسے مسجد میں نکاح پڑھوانے سے عار محسوس ہو؟ — اور دوسرے یہ کہ ہمیں شرم آنی چاہیئے کہ عیسائیوں نے، اس کے باوجود کہ ان کا اپنے مذہب سے لگاؤ نہ ہونے کے برابر ہے — تاحال کلیسا کا درجہ اس قدر بلند رکھا ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں نکاح کے لئے وہاں حاضر ہوتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے مسجد کا مقام اس درجے گرا دیا کہ وہاں نکاح پڑھوانے کو عار جانتے ہیں حالانکہ شریعت نے واضح راہ کھول دی ہے کہ لڑکی کی طرف سے اس کا وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح خواں کو اجازتِ 'ایجاب' دیتا ہے۔ اس طرح جب لڑکی کا خود مجلسِ نکاح میں موجود ہونا ضروری نہیں تو آخر اس کے گھر پر اس تقریب کا انعقاد کیوں ضروری سمجھ لیا گیا ہے — راقم کے خیال میں یہ دونوں دلیلیں اتنی قوی اور موثر ہیں کہ اگر ان کو عام کر دیا جائے تو اکثر لوگ تقریبِ نکاح کے مسجد میں انعقاد پر برضا و رغبت آمادہ ہو جائیں گے۔ ویسے دو مزید دلیلیں جو یقیناً قابلِ لحاظ ہیں، یہ ہیں کہ اوّلاً نکاح کے بعد جو دُعائے خیر دُولھا اور دُلھن کے لئے کی جاتی ہے اس کا بہترین ماحول مسجد میں ہوتا ہے نہ کہ شادی والے گھر کی ہنگامہ خیز فضا میں — اللہ کے کسی گھر میں کسی نماز کے معاً بعد یہ تقریب منعقد ہو اور اس کے بعد اس پاکیزہ ماحول میں نئے گھر کی آبادی اور خوش حال اور دین و ایمان کی سلامتی اور باہمی اُلفت و محبت کی دُعا کی جائے تو اُمید واثق ہے کہ اس کی تاثیر کم از کم دُہ چند ہو جائے گی اور ثانیاً یہ کہ اس سے شامیانوں، قناتوں، قالینوں، صوفوں اور کرسیوں اور رنگارنگ کی آرائشوں پر صرف ہونے والا پیسہ بچ جائے گا جسے کسی اور نیک کام کے لئے صرف کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ نکاح کے موقع پر دعوتِ طعام سے احتراز کا معاملہ البتہ ذرا کڑوی گولی ہے جو آسانی سے حلق سے نہیں اترتی۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ پہلے معاملے سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے۔

اس سلسلے کی ایک دلیل تو خالص دینی اور مذہبی ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں زندگی کے ہر گوشے سے متعلق

مفصل ہدایات دے دی ہیں - یہاں تک کہ ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے نبیؐ نے ہمیں استنجا اور طہارت تک کی بھی مفصل تعلیم دی ہے تو کیا کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شادی بیاہ ایسے معاملات میں حضورؐ کی جانب سے معاذ اللہ کوئی کوتاہی رہ گئی ہے جس کی تلافی کی کوشش ہمیں خود کرنی ہے — ! اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہو اور یقیناً نفی ہی میں ہے تو ہمیں سوچنا چاہیئے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی کے ضمن میں دعوتِ ولیمہ کی تاکید فرمائی اور اس کی اس لازمی برائی کا ذکر کرنے کے باوجود کہ " بِئْسَ الطَّعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعَىٰ إِلَيْهِ الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْمَسَاكِينَ " (یعنی دعوتِ ولیمہ بھی کیا ہی بُری دعوت ہے جس میں صاحبِ حیثیت لوگوں کو بُلایا جاتا ہے اور مسکینوں سے صرفِ نظر کر لیا جاتا ہے) یہ مثبت حکم بھی دیا کہ " إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا " (جب تم میں سے کسی کو ولیمے میں بلایا جائے تو وہ ضرور جائے) ساتھ ہی مزید تہدید بھی فرمائی کہ " فَمَنْ لَمْ يَأْتِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ " (یعنی جو دعوت میں (بلا عذر) شریک نہ ہوگا اس نے (گویا) اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کیا) واضح رہے کہ یہ تمام حدیثیں "مسلم شریف" سے ماخوذ ہیں۔

پس اگر نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے یہاں بھی دعوتِ طعام کوئی اچھا کام ہوتا اور اس میں کوئی بھی خیر کا پہلو موجود ہوتا تو کیا اللہ کے رسولؐ ہمیں اس کا حکم نہ دیتے؟ — یا کم از کم درجہ استحباب ہی میں اس کا ذکر نہ فرماتے؟ اور جب اس کا کوئی ذکر ہمیں

---

کسی حدیث میں نہیں ملتا تو کیا یہ ایک خواہ مخواہ کی بدعت نہیں؟ اور کیا یہ اُن اِصر اور اغلال کے قبیل کی چیز نہیں جن کے بوجھ سے انسانوں کی گردنوں کا آزاد کرانا مقاصدِ نبوت میں شامل ہے؟

دوسری دلیل وہ ہے جو ہر صاحبِ عقلِ سلیم کو اپیل کرے گی، یعنی یہ کہ شادی کا موقع لڑکی والوں کے لئے ویسا کھلی خوشی کا موقع نہیں ہوتا جیسا لڑکے والوں کے لئے ہوتا ہے - لڑکے کے لئے یہ خانہ آبادی کا موقع ہوتا ہے اور لڑکے

کے لئے یہ خانہ آبادی کا موقع ہوتا ہے اور لڑکے والے گھر میں ایک فرد کا اضافہ ہو رہا ہوتا ہے لہٰذا اصل خوشی وہاں ہوتی ہے (یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السّلام نے دعوتِ عرس کا حکم لڑکے ہی کو دیا!) — لڑکی کے والدین کو اس کی شادی کے موقع پر اگرچہ اس پہلو سے ایک احساس اطمینان ضرور ہوتا ہے کہ ایک اہم فرض ادا ہو گیا اور ذمہ داری کا ایک بھاری بوجھ کاندھے سے اتر گیا لیکن صحیح معنیٰ میں اُن کے یا لڑکی کے بھائی بہنوں کے لئے یہ خوشی کا موقع ہرگز نہیں ہوتا بلکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ لڑکی کی رخصتی کے وقت سب اہل خانہ اشکبار ہوتے ہیں - گھر کا ایک فرد، ماں باپ کی لاڈلی اور ناز و نعم کی پلی ہوئی بچی، بہنوں اور بھابیوں کی پیاری ماں جائی کا گھر سے رخصت ہونا ظاہر ہے کہ ہرگز خوشی کی بات نہیں — اس پر مستزاد ہیں مستقبل کے اندیشے جو ہر طرح کے حزم و احتیاط کے باوجود بہرحال بالکل ختم کسی طرح نہیں ہو سکتے کہ کیا معلوم نباہ ہو یا نہ ہو اور بیل منڈھے چڑھے یا نہ چڑھے — ان حالات میں اس گھر پر اور ان ہی گھر والوں کے ہاتھوں قورمے اور متنجن اڑانا یقیناً بڑی ہی دناءتِ طبع اور سفلہ مزاجی کا معاملہ ہے - ایک غیرت مند اور باحمیّت انسان کے لئے یہ چیز، الّا آنکہ ذہن اِدھر منتقل نہ ہوا ہو، بڑی ہی قابلِ حذر ہے -

۳ - اب اگر یہ دونوں باتیں اظہر من الشمس ہیں : یعنی نکاح کی تقریب مسجد میں ہو اور اس موقع پر دعوتِ طعام کو پروگرام سے خارج (ELIMINATE) کر دیا جائے تو خود بخود "بارات" کا پورا تصوّر ہی ختم ہو جاتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ہے ہی ختم کئے جانے کے لائق بلکہ صد لائق! خدا کا شکر ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی احادیث کے پورے ذخیرے، یہاں تک کہ جتنی عربی راقم کو آتی ہے، کم از کم اس کی پوری لغت میں کوئی لفظ ایسا موجود نہیں ہے جس کا ترجمہ لفظ "بارات" کیا جا سکے اور جس طرح یہ لفظ خالص عجمی ہے اسی طرح اس کا پورا تصوّر بھی خالص عجمی ہے اور اس کا وہ نقشہ تو خالص ہندوانہ ہے جو ہمارے ذہنوں میں شادی بیاہ کے لوازم کی حیثیت سے رچ بس گیا ہے یہ ایک جتھے کی صورت میں جمع ہو کر اور باقاعدہ

"چڑھائی" کے انداز میں لڑکی والے کے گھر جانا اور پھر لڑکی کا ڈولا لے کر "فاتحانہ" انداز سے لوٹنا خالص ہندوانہ تصور ہے جس کی بیخ کنی لازماً کی جانی چاہیئے۔

بارات کا متذکرہ بالا تصور نہ صرف یہ کہ خالص عجمی ہی نہیں خالص ہندوانہ ہے بلکہ ذرا غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ بڑی کم ظرفی کا مظاہرہ بھی لئے ہوئے ہے۔ بڑی شان و شوکت کے ساتھ دندناتے ہوئے جانا اور لڑکی والوں پر پورا رعب جھاڑتے ہوئے بطرز استحقاق پلاؤ زردہ اڑانا اور پھر فاتحانہ شان میں "مالِ غنیمت" سے لدے پھندے واپس آنا! حیرت ہے کہ کیوں لوگوں کو محسوس نہیں ہوتا کہ ان چیزوں کی اس دین سے کسی طور پر کوئی مناسبت نہیں ہوسکتی جو ہر معاملے میں شرافت و مروّت، وقار و متانت اور دوسروں کے جذبات کے پاس و لحاظ کی تعلیم دیتا ہے۔

بہرحال شادی بیاہ کے سلسلے میں یہ وہ ناپاک تثلیث (
) ہے جو مل جُل کر ایک وحدت بن گئی ہے، یعنی عیسائیوں کے قول کے مطابق توحید بھی ہے اور تثلیث بھی (
) اور بہتر یہی ہے کہ تینوں کی جڑوں پر بیک وقت ضربِ کاری لگائی جائے ورنہ اگر کسی ایک کی بیخ کنی پر اکتفا ہوئی تو باقی دونوں فوراً اس تیسری کو بھی از سرِ نو زندہ کرلیں گی۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں کا یہ خیال بالکل درست نہیں کہ رفتہ رفتہ اور تدریجاً اصلاح کی طرف قدم بڑھائے جائیں۔ ایسے معاملات میں ایک ہی بار بڑا اقدام مفید بھی رہتا ہے اور پائیدار بھی ــــ!"

---

مجھے خوب اندازہ تھا کہ لوگ ان باتوں کو عقلی اور منطقی اعتبار ہی سے نہیں دلی طور پر بھی تسلیم کرلیں گے لیکن جب موقع آئے گا تو "مجبوریوں" کا ایک کوہ گراں ان کے سامنے آن کھڑا ہوگا اور وہ مجھے بھی ہر طرح مجبور کریں گے کہ ان تقاریب میں شرکت کروں۔ لہٰذا پیش بندی کے طور پر راقم نے اپنی ذات

کی حد تک تین پختہ فیصلے کر کے ان کا 'میثاق' کے صفحات میں اعلان بھی کر دیا اور جامع مسجد خضراء سمن آباد کے اجتماعِ جمعہ میں بھی ــــ وہ تین فیصلے یہ تھے کہ: راقم الحروف آئندہ نہ[1] کسی بارات میں شامل ہوگا۔ نہ[2] نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے ہاں کسی دعوتِ طعام میں شریک ہوگا۔ نہ[3] ہی کسی ایسی تقریبِ نکاح میں شرکت کرے گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو ــــ!"

مجھے اعتراف ہے کہ اس معاملے میں کسی قدر 'شدت' کی صورت پیدا ہوئی لیکن میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ اس کے بغیر معاملہ کسی طرح ٹس سے مَس تک نہ ہوتا ــــ الحمد اللہ کہ میرے رفقاء واحباب میں سے بہت سے لوگوں نے اس معاملے میں میرا پورا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں اس اصلاحی کوشش نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ بہت سے دوسرے احباب جو پورا ساتھ نہ دے سکے ان کے ساتھ میں نے ایک درمیانی صورت اختیار کر لی کہ نکاح کا انعقاد انہوں نے مسجد میں کر لیا جس میں میری شرکت ہوگئی۔ بعد ازاں کسی دعوتِ طعام کا اہتمام انہوں نے کیا جس میں میری عدم شرکت کو انہوں نے خندہ پیشانی سے گوارہ کر لیا۔ اور ان کی 'مجبوریوں' کے پیش نظر میں نے بھی ان پر نکیر نہ کی۔

قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کے حلقے میں البتہ مجھے زیادہ سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجے میں شکر رنجیاں بھی ہوئیں۔ تعلقات کا انقطاع بھی ہوا۔ اور بعض بچپن کی منگنیاں بھی ٹوٹیں۔ لیکن الحمد للہ والمنۃ کہ اس تعالیٰ نے مجھے ان تمام چیزوں کو برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائی اور میرے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی!

اس معاملے میں میرے لئے سب سے کڑا امتحان اپنی سب سے بڑی بچی کی شادی کے موقع پر پیش آیا۔ مجھے خوب اندازہ تھا کہ اس موقع پر خواہ میں اپنی طے کردہ ساری پابندیاں پوری طرح نباہ لوں لیکن اگر رخصتی کے موقع پر میں نے دولھا اور ان کے چند عزیزوں کی تواضع صرف ٹھنڈے یا گرم مشروب سے بھی کر دی تو بات کا بتنگڑ بن جائے گا اور سارے کئے کرائے پر پانی پھر

جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے میں نے ایک اور انقلابی قدم اٹھایا یعنی یہ کہ بچی کو بھی جمعہ کو مسجد دارالسلام، باغ جناح لے گیا۔ نماز جمعہ کے بعد نکاح پڑھایا اور اللہ ہی کے گھر سے اس کی رخصتی عمل میں آگئی۔ اس طرح میرے گھر پر دو چار افراد کا بھی اس صورت میں آنا نہ ہوا جس پر کھینچ تان کر کے بھی 'بارات' کے لفظ کا اطلاق کیا جا سکتا! —

اس کے بعد بڑے بچے کی شادی کا مرحلہ آیا تو ایک طرف تو اس کے لئے جو 'بارات' کراچی گئی وہ کل ڈھائی افراد پر مشتمل تھی۔ یعنی دولھا، اس کی والدہ اور سب سے چھوٹا بھائی — (راقم خود ان دنوں دعوتی و تنظیمی سلسلے میں پہلے ہی سے کراچی میں تھا) دولھا کے دو حقیقی بھائی اور کوئی حقیقی بہن بھی اس "بارات" میں شامل نہ تھی، پھر یہ کہ جس جمعہ کو نمازِ جمعہ کے متصلاً بعد عقدِ نکاح ہونا تھا، اُسی صبح کو ٹرین سے یہ لوگ کراچی پہنچے اور اُسی شام کو دلہن کو لے کر لاہور واپس ہو گئے — دوسری طرف رفیقِ مکرّم قاضی عبدالقادر صاحب نے (جن کی بچی سے عقدِ نکاح ہونا تھا) راقم کی قائم کردہ مثال پر پورا عمل کر کے دکھایا اور اپنے قریب ترین اعزّہ و اقارب کو بھی گھر پر مدعو نہیں کیا بلکہ مسجد ہی سے بچی کو رخصت کر دیا —

اس کے بعد بحمداللہ سالِ رواں کے دوران راقم اپنی مزید دو بچیوں کی ذمہ داری سے اسی طور سے سبکدوش ہو چکا ہے۔

اس سلسلہ کی آخری یعنی حالیہ تقریب میں جس کے حوالے سے گفتگو کا آغاز ہوا تھا، راقم نے ایک نہایت مختصر خطاب کیا تھا جس کے بارے میں جناب م۔ ش نے ازراہ ذرّہ نوازی یہ فرمایا ہے کہ "میں نے ڈاکٹر صاحب کے ہزاروں کی تعداد میں مواعظ حسنہ میں شرکت کی ہے لیکن اس موقع پر میری رُوح نے ان کی تقریر دل پذیر سے جو اثرات قبول کئے وہ انمٹ تھے" اس میں راقم نے ایک تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی شانِ مبارکہ کے حوالے سے جو "وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ" کے الفاظِ قرآنی میں بیان ہوئی ہے حاضرین کو جرأت مندانہ اقدام کی ترغیب

دلائی تھی اور دوسرے سورۃ انشراح کی آیاتِ مبارکہ "فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝" کے حوالے سے تحدیثاً لِلنِّعْمَۃ عرض کیا تھا کہ اپنی ان مساعی کے ضمن میں جس اُخروی اجر و ثواب کا امیدوار میں ہوں اس کا تو میں محتاج ہوں ہی (رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۝) — اس دنیا میں جو نقد انعام مجھے ملا ہے وہ، وہ آسانی اور سہولت ہے جس کے ساتھ میں تابڑ توڑ انداز میں اپنی اُن پہاڑ ایسی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو گیا ہوں جن کا تصوّر بھی ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگوں پر لرزہ طاری کر دیتا ہے — واقعہ یہ ہے کہ آج جب میں غور کرتا ہوں تو شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ اگر مجھے اپنی ان ذمّہ داریوں کو زمانے کے دستور و معیار کے مطابق نبھانا ہوتا تو میرے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ رہتا کہ جسم و جان کی ساری توانائیاں صرف پیسہ کمانے کے لئے نچوڑ دیتا، نتیجۃً اللہ کے دین اور اس کی کتابِ عزیز کی کسی خدمت کے لئے نہ میرے پاس کوئی وقت بچتا نہ قوت و صلاحیت — یہ سراسر اُسی کا فضل و کرم ہے کہ اس نے جب ایک جانب مجھے اس فیصلے کی توفیق ارزانی فرمائی کہ میرے جسم و جان کی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں اللہ کے دینِ متین اور بالخصوص اس کی کتابِ عزیز کی خدمت کے لئے وقف رہیں گی تو دوسری جانب میری توجہ اتّباعِ سنّت کے اس رُخ کی طرف بھی مبذول کر دی اور مجھے شادی بیاہ کے "اِصر" اور "اغلال" کے خلاف جہاد کا بیڑہ اٹھانے کی توفیق بھی مرحمت فرما دی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج میں خود اپنے ذاتی حالات میں اس کے عظیم عدول یعنی "وَ نُیَسِّرُکَ لِلْیُسْرٰی" اور "فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ۝" کی صداقت و حقّانیّت کا مشاہدہ کر رہا ہوں کہ تین سال کے اندر اندر اپنے چار بچّوں کی ذمہ داریوں سے اس طرح سبکدوش ہو گیا ہوں کہ کسی بار یا گرانی کا احساس تک نہیں ہوا — فَلَہُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃ —!!

جہاں تک 'جہیز' کا تعلق ہے میرے نزدیک یہ بھی سراسر غیر اسلامی اور خالص ہندوانہ ذہنیت کا مظہر ہے۔ تاہم ابتداءً میں نے اس کے ضمن میں صرف

"عدم نمائش" پر زور دیا تھا۔ اب اللہ ہمت دے اور رفقاء احباب کمر ہمت کس لیں تو اس ضمن میں بھی مزید پیش قدمی ضروری ہے — اس سلسلے میں میرا اپنا جو معاملہ رہا ہے اس موقع پر اُسے بیان کر دینے میں بھی ان شاءاللہ کوئی حرج نہیں ہوگا — اور وہ یہ کہ اگرچہ میری پہلی دو بچیاں بھی جو کچھ لیکر میرے گھر سے رخصت ہوئیں اس پر بھی موجودہ زمانے کے کسی بھی معیار کے مطابق "جہیز" کا اطلاق نہیں ہو سکتا تاہم حالیہ شادی میں یہ معاملہ بھی بحمداللہ قدرِ مطلوب سے بہت قریب پہنچ گیا ہے۔ یعنی میری یہ بچی صرف ایک اٹیچی بھر کپڑے اور سوا دو تولے کا طلائی زیور لے کر میرے گھر سے رخصت ہوئی ہے!! —

خدا گواہ ہے کہ سطور بالا میں جو کچھ تحریر ہوا ہے اس میں نہ "عُجب" کو دخل ہے نہ ہی اس سے "تعلّی" مقصود ہے — ان تمام تفاصیل سے مقصود صرف یہ ہے کہ کچھ لوگ کمر ہمت کس لیں اور اللہ کی تائید و توفیق کی امید کے سہارے شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات و لوازمات کے طومار کے "اِصر" اور "اغلال" کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۝

## ھدیہ تشکر

"ستارہ امتیاز" کے ضمن میں محترم صدر مملکت کو شکریہ کا جو خط لکھا گیا تھا اسی کے ملخص پر مشتمل خطوط ان حضرات کی خدمت میں ارسال کئے گئے ہیں جنہوں نے "مبارکباد" کے خطوط یا تار ارسال کئے۔ بعض حضرات نے جو تار ارسال کئے ان پر ان کا اپنا پتہ درج نہ تھا اور بہت سے حضرات نے ٹیلیفون پر مبارکباد دی۔ ایسے تمام حضرات کا شکریہ بذریعہ سطور ہٰذا حاضر ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

خاکسار: اسرار احمد عفی عنہ

# نشر القرآن

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی نشری تقاریر

## سورۂ ھود

(آیات نمبر ۷۷ تا ۸۰)

(۱)

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ
قَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ۝ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ؕ
وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ
هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ
رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ۝ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَ
اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ۝ قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی
رُكْنٍ شَدِیْدٍ ۝ سورۂ ہود آیات ۷۷ تا ۸۰ کا ترجمہ یہ ہے :۔

" اور جب ہمارے پیغامبر لوطؑ کے پاس پہنچے تو وہ ان کے بارے میں بہت غمگین اور مضطرب ہوا اور اس نے کہا کہ آج کا دن تو بہت ہی کٹھن ہے۔ اور آئے اُس کے پاس اُس کی قوم کے لوگ بگٹٹ دوڑتے ہوئے، اور بدکاری کے تو وہ پہلے سے خوگر تھے ہی، اس نے کہا: "اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں۔ وہ تمہارے لئے کہیں زیادہ پاکیزہ ہیں، پس اللہ کا خوف کھاؤ اور مجھے میرے مہمانوں کے معاملے میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی ایک بھی شریف آدمی نہیں رہا"۔ انہوں نے جواب دیا:۔ "تجھے خوب معلوم ہے کہ تیری بیٹیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں اور تجھے یہ بھی خوب معلوم ہے کہ ہم کس چیز کے طالب ہیں!" لوطؑ

نے کہا: "کاش خود میرے پاس تمہارے مقابلے کے لئے قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ ہی حاصل کر سکتا!"

قرآن حکیم میں مکّی سورتوں کا طویل ترین سلسلہ وہ ہے جو سورۂ یونسؑ سے سورۂ مومنون تک پھیلا ہوا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی دو سورتوں یعنی سورۂ یونس اور سورۂ ہود میں ایک حسین جوڑے کی نسبت بتمام و کمال موجود ہے۔ چنانچہ "انبیاءُ الرّسل" یعنی اولوالعزم رسولوں کے حالات کے ضمن میں بھی ان دونوں سورتوں میں عکسی نسبت پائی جاتی ہے، قرآن حکیم میں اس ضمن میں جن چھ رسولوں کے حالات اور ان کی قوموں کے انجام کا ذکر بتکرار و اعادہ آیا ہے ان میں سے اوّلین یعنی حضرت نوحؑ کا ذکر سورۂ یونس میں تقریباً نصف رکوع میں ہے لیکن سورۂ ہود میں پورے دو رکوعوں میں، اور آخری یعنی حضرتِ موسیٰؑ کا ذکر سورۂ یونس میں تقریباً ڈیڑھ رکوعوں پر پھیلا ہوا ہے تو سورۂ ہود میں درجہ اجمال سے ہے۔ اسی طرح درمیانی چار رسولوں یعنی حضرتِ ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کا ذکر سورۂ یونس میں بغیر نام لئے نہایت اجمال سے صرف ایک آیت میں ہو گیا ہے جبکہ سورۂ ہود میں ان سب کے لئے ایک ایک رکوع مخصوص ہے۔

جن آیات کا ترجمہ ابھی آپ نے سماعت فرمایا ہے وہ سورۂ ہود کے ساتویں رکوع میں شامل ہیں۔ اس رکوع میں قرآن مجید کی بعض دوسری سورتوں کی طرح حضرت لوطؑ جس قوم کی جانب مبعوث ہوئے تھے اس کے انجام بد کے ذکر کی تمہید کے طور پر حضرت ابراہیمؑ کا ذکر بھی آیا ہے۔ یعنی وہ فرشتے جو اس قوم کی ہلاکت کے حکمِ الٰہی کی تنفیذ کے لئے بھیجے گئے تھے۔ ان کی طرف جانے سے قبل حضرتِ ابراہیمؑ کے پاس حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کی خوشخبری پہنچانے آئے تھے اور اسی موقع پر انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو مطلع کر دیا تھا کہ جن بستیوں کی جانب حضرت لوطؑ مبعوث ہوئے ہیں اب ان کی آخری ہلاکت کا وقت آ پہنچا ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنی نرم دلی کے باعث ان سے کچھ مجادلہ بھی کیا۔ جس کا آخری جواب انہیں یہ ملا کہ "یا ابراہیم

اعرض عَنْ هٰذا ج اِنَّہٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّکَ وَ اِنَّھُمْ اٰتِیہِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ہ " یعنی اے ابراہیمؑ اب اس معاملے سے قطع نظر کر لو، اس لئے کہ تمہارے ربّ کا حکم صادر ہو چکا ہے اور اب ان لوگوں پر وہ عذاب آکر ہی رہے گا جو کسی کے لوٹائے لوٹ نہیں سکتا!" ———

اس کے بعد وہی فرشتے حضرت لوطؑ کے پاس پہنچے - اور خود قرآنِ مجید کے فحوائے کلام سے بھی متبادر ہوتا ہے اور تفسیری روایات سے بھی تائید ہوتی ہے کہ وہ خوبصورت لڑکوں کی صورت میں تھے جن کو دیکھتے ہی وہ امرد پرست لوگ شہوتِ نفسانی سے مغلوب ہو کر بگٹٹ دوڑتے ہوئے حضرت لوطؑ کے گھر آ دھمکے - واضح رہے کہ قرآن نے اگرچہ مجازاً ان لوگوں کو " قوم لوط " کہا ہے لیکن حضرت لوط ہر گز ان میں سے نہ تھے - آنجنابؑ تو حضرتِ ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے جو اُن کے ساتھ ہی ہجرت کر کے عراق سے بلادِ شام پہنچے تھے اور پھر حضرتِ ابراہیمؑ کے حسبِ ہدایت بحر مردار کے ساحل پر واقع سدوم اور عمورہ کی بستیوں میں دعوت الی اللہ اور عقائد و اخلاق کی اصلاح کی سعی فرما رہے تھے - اس علاقے کے لوگ شرک کے ساتھ ساتھ بدترین اخلاقی پستی سے دوچار ہو چکے تھے اور ان میں مردوں کا مردوں ہی سے جنسی لذّت حاصل کرنے کا حد درجہ غیر فطری اور قبیح عمل نہ صرف یہ کہ عام ہو چکا تھا بلکہ اُس میں اُن کی ڈھٹائی اور بے حیائی اس درجے کو پہنچ گئی تھی کہ وہ یہ خبیث حرکت برسرِ عام لوگوں کی نگاہوں کے عین سامنے کرتے تھے - اور حضرت لوطؑ ان کی اصلاح کی ہر ممکن سعی کے باوجود اپنے مشن میں بالکل ناکام ہو چکے تھے - چنانچہ اللہ کے آخری فیصلے کا وقت آ پہنچا اور اس کے ضمن میں اللہ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت ایسی صورت اختیار کی کہ از خود کی ظاہر ہو جائے کہ یہ قوم اخلاقی دیوالیے پن کی کس انتہا کو پہنچ چکی ہے - اور پوری طرح مستحق ہو چکی ہے کہ اسے ہلاک اور نیست و نابود کر دیا جائے -

حضرت لوطؑ کا ماتھا تو اپنے خوبصورت اور نوعمر مہمانوں کو دیکھتے ہی ٹھنک گیا تھا کہ آج بہت کٹھن مرحلے سے گذرنا ہوگا - جب انہوں نے لوگوں کے تیور دیکھے تو آخری اتمام حجّت کے طور پر دو باتیں فرمائیں ایک یہ کہ یہ میرے مہمان ہیں اور

مہمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا ذمہ دار میزبان ہوتا ہے - لہٰذا اگر تمہارے اندر شرافت اور مروت کی کوئی ادنیٰ رمق بھی باقی رہ گئی ہے تو مجھے اس معاملے میں ذلیل و رسوا نہ کرو ——— یہ قدیم زمانے اور بالخصوص اقوام عرب کے اعتبار سے سب سے زیادہ مؤثر اپیل ہوسکتی تھی جسے نظرانداز کرکے گویا انہوں نے اپنی شرافت اور مروت کے دیوالہ نکل جانے کا ثبوت فراہم کردیا- دوسرے یہ کہ اگر تم اپنے جذبۂ شہوت کی تسکین چاہتے ہو تو میری بیٹیاں موجود ہیں ان سے تم اپنے جذبے کی تسکین فطرت کے عین مطابق اور فی نفسہٖ پاکیزہ طریقے پر کرسکتے ہو- یہاں "بیٹیوں" کے مفہوم و معنیٰ کے بارے میں سلف ہی سے دو رائیں موجود ہیں اور دونوں ہی کا احتمال یکساں و برابر ہے یعنی ایک یہ کہ حضرت لوطؑ نے خود ان کی بیویوں کو اپنی بیٹیاں قرار دیا ہو- اس لئے کہ ہر عمر رسیدہ شخص بالخصوص وہ جو نیک اور پارسا بھی ہو اور دوسروں کو بھی نیکی اور پارسائی کی تلقین کرتا ہو قوم کی تمام عورتوں کے لئے بمنزلہ باپ ہوتا ہے ——— اور دوسرے یہ کہ حضرت لوطؑ نے قوم کے سرداروں کو پیشکش کی ہو کہ میں اپنی بیٹیوں کا نکاح تم سے کئے دیتا ہوں - اور یہ بھی بغرضِ اتمام حجت وقطعِ عذر !!——— لیکن اس کا جو جواب لوگوں نے دیا- اس میں جہاں یہ ڈھٹائی نقطۂ عروج کو پہنچی نظر آتی ہے کہ "اے لوطؑ! خواہ مخواہ اِدھر اُدھر کی باتوں میں ہمارا وقت ضائع نہ کرو- تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم کس ارادے سے آئے ہیں اور ہمیں فی الواقع کیا مطلوب ہے!" ——— وہاں ان کا یہ منافقانہ کردار بھی انتہا کو پہنچا نظر آتا ہے کہ حیوانیت کی اس اسفل ترین سطح تک پہنچے ہوئے ہونے کے باوجود **حق** کا لفظ بھی ان کی زبان پر آتا ہے اور وہ بڑے حق پرستانہ انداز میں کہتے ہیں - (اگرچہ فی الواقع اس میں گہرا طنز پنہاں ہے) ——— کہ "اے لوط! تم خوب جانتے ہو کہ تمہاری بیٹیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے!" چشمِ تصور سے بخوبی دیکھا جاسکتا ہے کہ ان الفاظ کو ادا کرتے ہوئے اُن میں سے بعض کے لبوں پر تبسم بلکہ زہر خند بھی ہوگا-

اس صورتِ حال پر جو کیفیت حضرت لوط علیہ السلام کی ہوئی وہ ان کے

ان الفاظ سے بخوبی ظاہر ہے ——— "لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ہ" یعنی کاش کہ میرے پاس اتنی طاقت ہوتی کہ تمہارا مقابلہ کرسکتا ——— یا کوئی مضبوط سہارا ایسا ہوتا جس کی پناہ حاصل کرلیتا!" واضح رہے کہ حضرت لوطؑ کے نہ تو اولاد نرینہ تھی کہ بیٹوں کے ہاتھ اُن کی مدافعت میں اٹھ سکتے نہ ہی ان کا کوئی کنبہ قبیلہ ہی ایسا تھا جو اس آڑے وقت میں ان کا سہارا بن سکتا۔ جیسا کہ آگے حضرت شعیبؑ کے ذکر میں آرہا ہے کہ ان کے مخالفین نے کہا تھا کہ "لَوْ لَا رَھْطُکَ لَرَجَمْنٰکَ" یعنی اے شعیبؑ اگر ہمیں تمہارے قبیلے والوں کا ڈر نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کردیتے یا جیسے کہ خود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنہ ۱۰ نبوی تک یعنی ہجرت سے تین سال قبل تک ابوطالب کی وساطت سے اپنے خاندان یعنی بنی ہاشم کی حمایت حاصل رہی حضرت لوطؑ کا معاملہ یہ نہ تھا وہ اس بستی میں اجنبی تھے اور جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں صراحتًہ مذکور ہے۔ان کا کوئی کنبہ قبیلہ وہاں موجود نہ تھا ——— )

گویا ظاہری اور مادّی اعتبار سے وہ اس وقت بالکل بے سہارا اور بے یار و مددگار تھے ——— چنانچہ انتہائی کس مپرسی اور بے چارگی کے عالم میں یہ الفاظ ان کی زبان پر آگئے۔ حالانکہ فی الحقیقت تو تمام ظاہری سہاروں سے بڑھ کر مضبوط سہارا ہر بندۂ مومن کو ہر جگہ اور ہر وقت حاصل ہوتا ہے۔یعنی اللہ کی مدد اور اس تعلق کا سہارا۔ چنانچہ یہی ہے وہ بات جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حد درجہ خوبصورت الفاظ میں ادا فرمائی ——— یعنی "رَحِمَ اللّٰہُ لُوْطًا فَاِنَّہٗ کَانَ یَاْوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ" ——— "اللہ لوط پر رحم فرمائے، مضبوط ترین سہارا تو انہیں حاصل ہی تھا!" اس سے معلوم ہوا کہ بز بنائے طبع بشری اسباب ظاہر سے کسی وقت کسی درجے میں فوری اور عارضی طور پر متاثر ہوجانا شانِ نبوت و رسالت سے بعید نہیں ہے جیسے کہ حضرت موسیٰؑ کوہِ طور پر عصا کے اژدھا بن جانے سے وقتی طور پر خوفزدہ ہوگئے تھے اور جادوگروں سے مقابلے میں ان کی رسّیوں اور چھڑیوں کے سانپ کا روپ دھار لینے سے فوری طور پر متاثر ہوگئے تھے۔ بالکل یہی معاملہ اس موقع

پر حضرت لوطؑ کے ساتھ پیش آیا - حالات اتنے ناساعد اور صورت حال اتنی شدید تھی ـــــ گویا عمد " مرحلہ سخت ہے اور آن، عزیز!! " والی کیفیت سے اس شدت سے سابقہ پیش آیا تھا کہ شدتِ تاثر میں یہ الفاظ آنجنابؑ کی زبان پر آگئے ـــــ اور اغلباً یہ بھی مشیتِ خداوندی کے تحت ہوا تاکہ ایک صالح و مصلح اور ناصح مشفق شخص کو اس درجہ زِچ کر دینے والی قوم کے بارے میں یہ بات ازخود ثابت ہو جائے کہ وہ اب کسی رعایت کی مستحق نہیں رہی اور عذاب استیصال کی پوری حقدار بن چکی ہے بقول شاعر ؎

تا دلے صاحب دلے نامد بہ درد
ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد!

اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجام بد سے بچائے، اور خیر و صلاح کی جانب رغبت اور مصلحین و ناصحین کی باتوں کو توجہ سے سننے کی توفیق عطا فرمائے - آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین -

---

—(۲)—

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم :-

امابعد :-

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم      بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝ (سورۃ ھود آیات ۸۱ تا ۸۳) ان آیات کا ترجمہ یہ ہے :-

"فرشتوں نے کہا: "اے لوط! ہم تو تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تم پر دست درازی نہ کر سکیں گے، پس تم کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ۔ اور تم میں سے کوئی پلٹ کر نہ دیکھے! سوائے تمہاری بیوی کے، اس پر بھی وہی کچھ بیتنا ہے جو ان سب پر بیتنے والا ہے! ان کی ہلاکت صبح کے وقت ملے ہے، کیا صبح آیا ہی نہیں چاہتی؟ ——— پس جب آپہنچا ہمارا حکم تو ہم نے اس بستی کو الٹ کر رکھ دیا اور اس پر پتھروں کی بارش کی، تہہ در تہہ اور تیرے رب کے پاس سے نشان زدہ، اور وہ ان ظالموں سے بھی ہرگز دور نہیں!" ———

(آیات کا ترجمہ ختم ہوا)

گذشتہ درس کا اختتام حضرت لوطؑ کے ان حد درجہ یاس آمیز الفاظ پر ہوا تھا کہ: "لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ" ——— سورۂ ہود کے متصلاً بعد سورۂ یوسف ہے اور اس کے آخر میں بھی اس کیفیت کا نقشہ ایک عمومی قاعدے کے طور پر کھینچا گیا ہے کہ "حَتّٰۤی اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ" یعنی جب رسول اپنی قوم کی جانب سے بالکل مایوس ہو جاتے ہیں تب اللہ کی آمد آپہنچی ہے۔ "جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ" ——— "پھر نجات دی گئی جسے ہم نے چاہا، اور نہیں لوٹایا جا سکتا ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے!"

حضرت لوطؑ کے پاس بھی اللہ کے فرشتے اسی قانون خداوندی کے تحت پہنچے تھے لیکن انسانی شکل میں ہونے کے باعث آنجنابؑ انہیں پہچان نہ سکے اور وہ صورت پیش آئی جو آیات ۷۷ تا ۸۰ میں بیان ہو چکی ہے۔ واضح رہے کہ بعینہٖ یہی معاملہ اس سے قبل حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ پیش آ چکا تھا۔ وہ بھی ان ہی فرشتوں کو عام مہمان اور معمولی انسانی سمجھ کر معاملہ کر چکے تھے ——— اور ٹھیک یہی معاملہ حدیث جبرئیلؑ کی بعض روایات کی رُو سے ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی پیش آیا۔ کہ جب حضرت جبرئیلؑ انسانی صورت میں آکر گفتگو کر کے چلے گئے تب آپؐ نے فرمایا "رُدُّوْهُ اِلَیَّ" "انہیں میرے پاس واپس لاؤ!" ——— اور جب تلاشِ بسیار کے باوجود

ان کا کوئی سراغ نہ مل سکا تو آپؐ نے فرمایا: "اچھا! یہ جبرئیلؑ تھے ——— اور یہ پہلی بار ہے کہ میں انہیں پہچان نہیں سکا!"

بہرحال جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تو فرشتوں نے اپنی حقیقت کو ظاہر کر دیا کہ اے لوطؑ! ہمیں انسان اور عام مہمان نہ سمجھ، ہم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور تم پوری طرح مطمئن رہو کہ یہ خبیث ہمارا یا تمہارا کچھ بگاڑنا تو درکنار تم تک پہنچ بھی نہ سکیں گے ——— اس کے بعد فوری طور پر کیا صورتِ معاملہ پیش آئی اس کی تفصیل قرآن حکیم میں موجود نہیں ہے لیکن بعض تفسیری روایات میں جو تفاصیل آئی ہیں وہ صورتِ واقعہ سے پوری مطابقت رکھتی ہیں اور ہرگز نہ خلافِ عقل ہیں نہ خلافِ قیاس۔ یعنی یہ کہ فرشتوں نے حضرتِ لوطؑ اور ان کے اہل خانہ کو تو گھر کے اندر کی جانب بھیج دیا اور اپنے بازو کو ذرا سا ان ملعونوں کی جانب لہرایا جس کے باعث وہ سب کے سب دفعتہً اندھے ہو گئے اور لرزاں و ترساں راہ فرار اختیار کر گئے ——— اس کے بعد جیسا کہ آیات زیرِ درس میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم حضرتِ لوطؑ کو وضاحت کے ساتھ پہنچایا کہ اس قوم پر عذابِ استیصال کا وقت آ پہنچا ہے اور ان کی ہلاکت کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے۔ جواب طلوع ہوا ہی چاہتی ہے لہٰذا تم جلدی کرو اور اپنے اہل و عیال سمیت صبح ہونے سے پہلے پہلے اس بستی سے دُور نکل جاؤ ——— اور خبردار! تم میں سے کوئی اس بستی کی جانب پلٹ کر بھی نہ دیکھے! ——— اس کے دو مفہوم ممکن ہیں ایک یہ کہ عذاب اتنا ہولناک ہوگا کہ کوئی انسان اس کو دیکھنے کی تاب بھی نہ لا سکے گا اور دوسرے یہ کہ اس گندی بستی اور اس کے خبیث رہنے والوں کی جانب کوئی ادنیٰ سا میلان بھی غیرتِ الٰہی کو گوارا نہیں ہے ——— ساتھ ہی فرشتوں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ حضرتِ لوطؑ کی بیوی عذابِ الٰہی سے مستثنیٰ نہیں ہے اور اس کا انجام بھی وہی ہونا ہے جو اس پوری بستی کا اس لئے کہ وہ اغلباً تھی بھی اُسی قوم سے اور اس کا سارا جھکاؤ بھی ان ہی کی جانب تھا۔ حضرت لوطؑ کی بیوی کے بارے میں تو یہ صراحت قرآن مجید میں متعدد مقامات پر موجود ہے ہی، سورہ تحریم سے معلوم ہوتا ہے کہ

بعینہٖ یہی معاملہ حضرت نوحؑ کی ایک بیوی کے ساتھ بھی ہوا - وہاں ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کی بدنصیب بیویوں کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے اور صراحت فرمادی گئی ہے کہ " فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ " کہ وہ دونوں جلیل القدر پیغمبر اپنی بیویوں کو عذاب الٰہی سے بچا نہ سکے اور دونوں کے حق میں حکم الٰہی صادر ہوگیا کہ داخل ہو جاؤ آگ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ - گویا نہ صرف یہ کہ یہ دونوں اس دنیا میں عذاب استیصال سے دوچار ہونے کے معاملے میں اپنی قوم کے ساتھ رہیں بلکہ آخرت میں عذاب جہنم میں بھی اپنی قوم کے ساتھ ہی مبتلا ہوں گی - گویا ہر انسان اللہ کے یہاں اپنے ہی کئے کی جزا یا سزا پائے گا - کسی دوسرے کی بزرگی یا نیکی اس کے کام نہ آئے گی خواہ وہ نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہوں -

آیات ۸۲ و ۸۳ میں عذاب الٰہی کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ واقعۃً نہایت ہولناک ہے - یعنی یہ کہ اس بدکار قوم کی بستیوں پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی - جو مسلسل بھی رہی اور وقفے وقفے سے بھی یعنی تہہ بر تہہ - نتیجۃً عمارتیں ڈھے گئیں، ان کی بلندیاں نیچے آرہیں، اور تمام بستیاں اور انہیں بسنے والے تمام لوگ نیست و نابود اور نسیاً منسیاً ہو کر رہ گئے -

واضح رہے کہ یہ بستیاں جن کا اب نام و نشان بھی مٹ چکا ہے، اغلباً بحرۂ مُردار کے جنوبی ساحل پر آباد تھیں - ان کا مقام سدوم تھا اور دوسرا بڑا شہر عامورہ تھا - ان کے علاوہ چند بڑے شہر اور بھی تھے اور ان کا درمیانی پورا علاقہ نہایت سبز و شاداب تھا - گویا ہر طرف باغ ہی باغ نظر آتے تھے - متذکرہ عذاب الٰہی جو آسمان سے نازل ہوا تھا - اس کے بعد غالباً کوئی زلزلہ وغیرہ بھی آیا جس نے ان بستیوں کے آثار کو بھی بحرۂ مُردار یا بحرۂ لوط میں غرق کر دیا - " مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ " کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ یہ عام پتھر نہ تھے بلکہ خاص اسی مقصد کے لئے بنائے اور نشان زد کئے گئے تھے اور دوسرے یہ کہ ہر پتھر جس ظالم کی ہلاکت کا ذریعہ بننے والا تھا اس پر گویا اس کا نام پہلے سے کندہ موجود تھا ——— اسی طرح آخری ٹکڑے یعنی " وَمَا

هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ۝" کے بھی کئی مفہوم ممکن ہیں - ایک یہ کہ ھِیَ کی ضمیر پتھروں کی جانب راجع مانی جائے - اور معنی یہ مراد ہوں کہ اللہ کو ان کی ہلاکت کے لئے یہ پتھر کہیں دُور سے نہیں لانے پڑے بلکہ وہ ان کے آس پاس ہی سے اٹھا لئے گئے تھے، دوسرے یہ کہ ھِیَ سے مراد وہ بستیاں ہوں جو ان عذاب کا نوالہ بنیں اور "الظالمین" سے مراد قریش ہوں جن کو یہ داستان سنائی جا رہی تھی - اور جو انکار و اعراض کی اس روش پر چل رہے تھے جس پر سابقہ معذّب قومیں چلی تھیں اور مراد قریش کو اس جانب متوجّہ کرنا ہو کہ یہ واقعات کہیں دور دراز مقامات پر پیش نہیں آئے تمہارے قرب و جوار ہی میں پیش آئے ہیں تو چاہیئے کہ تم ان سے عبرت پکڑو — اور تیسرے یہ کہ ھِیَ میں اشارہ اُن پتھروں ہی کی جانب ہو اور قریش کو دھمکی دی جا رہی ہو کہ عذابِ الٰہی کے یہ پتھر تم سے بھی دُور نہیں ہیں بلکہ گویا تمہارے سروں پر سایہ کئے ہوئے ہیں ! ——— یہ آخری بات اس لئے راجح معلوم ہوتی ہے کہ قرآن میں ان حالات و واقعات کا تذکرہ ظاہر ہے کہ داستان سرائی کے لئے نہیں ہے بلکہ ان کا تمام تر مقصد انذار و تخویف ہے - چنانچہ اس سورۂ مبارکہ آخر میں ان "اَنْبَاءُ الرُّسُل" کے بیان کا مقصد یہی بیان کیا گیا ہے کہ ان سے ایک جانب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی صحابہ کرامؓ کے دلوں کو ڈھارس بندھے اور تقویت حاصل ہو اور دوسری جانب اہل کفر و شرک کو یہ تنبیہ ہو جائے کہ "اِعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ" یعنی اپنا کام کئے چلے جا رہے ہیں، تم بھی جتنا زور لگا سکتے ہو لگا لو ——— بالآخر حکم خداوندی سے وہی کچھ ہو گا جو ہمیشہ ہوتا آیا ہے ——— یعنی نجات و کامیابی اور فوز و فلاح رسُولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کا حصّہ قرار پائے گی اور دنیوی ہلاکت و تباہی اور اُخروی عذاب کافروں کا مقدر بن کر رہے گا ———

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ -

(۳)

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد:-

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ۝ وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ۝ قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ۝ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَرَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰی مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ۝ وَیٰقَوْمِ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِیْۤ اَنْ یُّصِیْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِیْدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ ۝ قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ ۝

(سورہ ھود آیات ۸۴ تا ۹۰)

ترجمہ:- اور (اہل) مدین کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی شعیبؑ (کو بھیجا) اس نے کہا: اے میری قوم (کے لوگو)! اللہ ہی کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو، (فی الوقت) میں تمہیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں (لیکن) مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے

دن کے عذاب کا اندیشہ ہے جو (جملہ مصائب کو) گھیرنے والا ہوگا - اور اے میری قوم (کے لوگو) ! پورا کیا کرو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ اور نہ کم کیا کرو لوگوں کے لئے ان کی چیزیں - اور نہ دندناؤ زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے - اللہ کی (دی ہوئی) بچت ہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مانو (ورنہ ظاہر ہے کہ) میں تم پر پہرہ تو نہیں دے سکتا !" انہوں نے جواب دیا: "اے شعیب ! کیا تمہاری نماز کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے آباد و اجداد کے معبودوں (کی پرستش) ترک کر دیں یا (اس سے دستبردار ہو جائیں کہ) اپنے اموال میں جو (تصرّف) چاہیں کریں - واقعی ایک تم ہی رہ گئے ہو دانشمند اور راستباز !" (شعیبؑ نے) کہا: "بھائیو ! (ذرا سوچو !) اگر میں اپنے رب کی جانب سے واضح ہدایت پر بھی ہوں اور اس نے مجھے اپنے (خاص خزانہ فضل) سے رزقِ حسن سے مزید نوازا ہے (تو پھر میں اس دعوت و تبلیغ اور سعیٔ اصلاح سے کیسے باز رہ سکتا ہوں !) اور میرا یہ ارادہ ہرگز نہیں ہے کہ تمہاری مخالفت کر کے خود وہی کچھ کروں جس سے تمہیں روک رہا ہوں - میں تو بس اصلاح کا طالب ہوں - جہاں تک میرا بس چلے ! اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ ہی (کی مدد) سے، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی جانب میں رجوع کرتا ہوں - اور اے میری قوم کے لوگو ! (دیکھنا کہیں) میری ضد (اور عداوت) کے باعث تم پر بھی وہی کچھ نازل نہ ہو جائے جو قوم نوحؑ یا قوم ہودؑ یا قوم صالحؑ پر نازل ہو چکا ہے - اور قوم لوطؑ تو تم سے کچھ (زیادہ) دور بھی نہیں (تھی) - اور اپنے رب سے مغفرت چاہو پھر اسی کی جناب میں توبہ کرو - یقیناً میرا رب نہایت مہربان بہت محبت کرنے والا ہے !" ——

یہاں پر ترجمہ ختم ہوا -

دیگر متعدد مکّی سورتوں کی طرح سورۂ ہود میں بھی ان اقوام کے ذکر ہیں جن کی جانب رسول مبعوث ہوئے لیکن انہوں نے ان کی دعوت کو رد کر دیا اور اس کے نتیجے میں اللہ کے عذابِ استیصال کا نوالہ بن کر نیست و نابود اور نسیاً منسیاً ہو گئے، قوم نوحؑ قوم ہودؑ، قوم صالحؑ اور قوم لوطؑ کے بعد پانچویں نمبر پر قوم شعیبؑ یا اہل مدین کا ذکر آتا ہے - یہ لوگ حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی

تیسری زوجۂ محترمہ حضرت قطورا کے بطن سے تولّد ہونے والے فرزند مدین یا مدیان کی نسل سے تھے، اس طرح گویا ذرّیتِ ابراہیمؑ ہی کی ایک شاخ سے تعلّقات رکھتے تھے ـــــ بحیرۂ قلزم کے شمالی سرے اور خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ آباد تھے اور ان کی بڑی بستی کا نام بھی مدین ہی تھا۔ جیسا کہ ہوتا آیا ہے حضرت ابراہیمؑ کے کچھ عرصے کے بعد ان لوگوں میں بھی اعتقادی اور اخلاقی گمراہیاں پیدا ہوئیں اور رفتہ رفتہ عروج کو پہنچ گئیں۔ چنانچہ ایک جانب عقیدۂ توحید کا دامن ہاتھ سے چھوٹا اور مشرکانہ اوہام نے اس کی جگہ لے لی اگرچہ صراحت اور تعیین کے ساتھ قرآن حکیم میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ان میں شرک کی کونسی صورتیں زیادہ رائج ہوئیں۔ دوسری جانب تجارت میں دھوکہ اور فریب کا رواج ہوگیا اور لین دین اور ناپ تول میں عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور خیانت کی روش عام ہوگئی۔ آخر کار رحمتِ خداوندی جوش میں آئی اور اللہ تعالےٰ نے ان میں اپنا ایک جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر مبعوث فرمایا جن کا اسم گرامی شعیبؑ تھا۔

واضح رہے کہ جن چھ اقوامِ معذّب کا ذکر قرآن حکیم کی مکّی سورتوں میں باعادہ و تکرار آیا ہے ان میں سے پہلی تین یعنی قوم نوحؑ، قوم ہودؑ اور قوم صالحؑ کے تذکرے میں ان کی صرف اعتقادی گمراہی یعنی شرک کا ذکر ہے، ان کے کسی عملی یا اخلاقی بگاڑ کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ملتا۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ان اقوام ثلثہ کا تعلق نسلِ انسانی کی تاریخ کے اس ابتدائی عہد سے ہے جبکہ تمدّن کی پیچیدگیاں اور نام نہاد تہذیب کی ستم ظریفیاں ابھی شروع نہیں ہوئی تھیں بلکہ عملی اعتبار سے انسان فطرت کی سادہ رہنمائی ہی میں چل رہے تھے۔ البتہ ذہن و فکر میں کجی نے راہ پالی تھی اور ایک معبودِ برحق اور خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ کچھ دوسرے معبودوں کی پرستش شروع ہوگئی تھی۔ چنانچہ ان کی جانب جو رسول مبعوث ہوئے ان کی دعوت بھی کُل شرک کے مؤثر ابطال اور اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی پرزور اپیل ہی پر مشتمل تھی۔ قوم لوطؑ کے ذکر میں ہمیں شرک کے ساتھ ساتھ ایک عملی و اخلاقی گراوٹ کا تذکرہ ملتا ہے۔

یعنی جنسی انار کی بے راہ روی ـــــ (SEX PERVERSION) کا جو تمدنِ انسانی کے حق میں سمّ قاتل ہے اور جس کے نتیجے میں انسانی معاشرہ ایک متعفن سنڈاس کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد قوم شعیبؑ کے ذکر میں شرک کے ساتھ ساتھ تذکرہ ملتا ہے ایک دوسری تمدنی خرابی یعنی معاشی واقتصادی معاملات میں ناانصافی اور بے راہ روی یا بالفاظ دیگر ـــــ ECONOMIC EXPLOITATION کا جو ایک دوسرے اعتبار سے انسانی تمدن میں فساد کا موجب ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ باہمی اعتماد کی فضا ختم ہوجاتی ہے اور سکون اور اطمینان رخصت ہوجاتے ہیں اور رفتہ رفتہ باہمی محبت و مؤاسات کی جڑیں کٹ جاتی ہیں اور خودغرضی اور نفرت وعداوت کا دور دورہ ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد ذکر آتا ہے آلِ فرعون کا۔ جنہوں نے بنی اسرائیل کو غلامی کے شکنجے میں کس کر جبر و استبداد کی بدترین مثال قائم کی تھی اور یہ **Political Repration** گویا کہ تمدن انسانی کے بگاڑ کا وہ عرض ثالث ہے جس سے فسادِ ارضی کی ابعادِ ثلثہ (THREE DIMENSION) کی تکمیل ہوجاتی ہے۔

جغرافیائی طور پر قومِ شعیبؑ دو قدیم تجارتی شاہراہوں کے سنگم پہ آباد تھی جس کے باعث انہیں تجارتی منافع بآسانی اور بافراط حاصل ہوئے جس کی جانب اشارہ کیا حضرت شعیبؑ نے الفاظ سے کہ "اِنِّیٓ اَرٰکُمْ بِخَیْرٍ" یعنی "میں تمہیں آسودہ و خوش حال دیکھ رہا ہوں"، لیکن جیسا کہ عام مشاہدہ ہے جب ایمان باللہ اور ایمان بآخرت کی گرفت کمزور پڑتی ہے تو انسان پہ حرص و ہوس کا غلبہ ہوجاتا ہے اور لالچ اور طمع میں اندھے ہو کر لوگ عدل وانصاف اور راست معاملگی یعنی FAIR DEALING کی روش تج کر دھوکہ و فریب اور مکاری و عیاری کی روش اختیار کر لیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ "فساد فی الارض" ہے۔ اس کیفیت کا نقشہ حضرت شعیبؑ نے ان الفاظ میں کھینچا: وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ" ـــــ اس ضمن میں "بَقِیَّتُ اللّٰہِ" کے الفاظ بہت معنی خیز ہیں۔

تجارت اور بیع و شرا اگر دیانت اور امانت کے ساتھ ہوں اور ان میں دھوکہ اور فریب نہ ہو تو جو نفع بچ رہتا ہے اس کی نسبت "اللہ" کی جانب ہے، یعنی اللہ کی عطا کردہ برکت — اسی حقیقت کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ادا فرمایا کہ:- "التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء" — یعنی "ایک صادق القول اور امانتدار تاجر کو انبیاء اور صدیقین اور شہداء کی معیت حاصل ہوگی!" لیکن اس کے لئے بنیادی شرط ایمان ہے - یعنی توحید اور معاد پر پختہ اور غیر متزلزل یقین - جس کے بغیر نہ صداقت میسر آسکتی ہے نہ امانت!! اس کی جانب اشارہ فرمایا حضرت شعیبؑ نے "ان کنتم مومنین" کے الفاظ سے - اس صراحت کے ساتھ ان چیزوں کی جانب میں تمہیں دعوت ہی دے سکتا ہوں - تمہیں عملاً راہ ہدایت پر لے آنے کا میں ذمہ دار ہوں نہ مختار!" وما انا علیکم بحفیظ"! —

اس مخلصانہ اور خیر خواہانہ دعوت کا جو جواب قوم نے دیا اس میں جہاں قدیم انسانی گمراہی یعنی آباو اجداد کی روش کے تقدس کی جانب اشارہ ہے وہاں جدید سرمایہ دارانہ ذہنیت کی بھی پوری عکاسی موجود ہے - یعنی یہ کہ مال ہماری ملکیت ہے اور اس میں تصرف کا کامل اختیار ہمیں حاصل ہے - "ان نفعل فی اموالنا ما نشاء" بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے یہ الفاظ حضرت شعیبؑ کی بات سے کوئی منطقی ربط نہیں رکھتے - آنجنابؑ نے ان کے حق تصرف کو چیلنج نہیں کیا تھا بلکہ صرف راست معاملگی یعنی FAIR DEALING کی نصیحت کی تھی - لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اصل ذہنی و فکری گمراہی یہی تھی جو ان کے جواب سے ظاہر ہوئی گویا حضرت شعیبؑ کی نصیحت نے ایک نشتر کا کام کیا جس نے پھوڑے چیرا دیا تو اندر سے متعفن مواد ابل پڑا - اگر مزید گہرائی میں اتر کر غور کیا جائے تو صاف نظر آجائے گا کہ جملہ معاشی و اقتصادی بے راہ رویوں کا اصل سبب اور گویا فساد کی اصل جڑ یہی نظریۂ ملکیت مطلقہ ہے - یعنی یہ کہ ہم اپنے اموال کے مالک مطلق ہیں - ان میں جس طرح چاہیں تصرف کریں - جبکہ اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ کائنات

کی ہر شے کا مالک مطلق تو صرف اللہ ہے، انسان کو جو کچھ اس نے عطا فرمایا ہے وہ امانت ہے جس میں تصرف کا حق اسے اصل مالک کی منشا اور اجازت کے مطابق ہی حاصل ہے، غیر مشروط یا لامحدود نہیں! - بقول شیخ سعدی مرحوم ؎

"ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست　　در حقیقت مالکِ ہر شے خدا است!"

قوم شعیبؑ کے جواب کا آخری ٹکڑا ان کے کھسیانے پن کی کامل غمازی کر رہا ہے۔ "اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ" یعنی بھئی واقعی تم بہت ہی دانشمند اور راستباز ہو!" ان الفاظ میں انہوں نے گویا اپنی ذہنی و فکری ہی نہیں اخلاقی شکست کا بھی پورا اعتراف کر لیا۔

حضرت شعیبؑ کے جواب الجواب میں دو اہم مضمون قابل توجہ ہیں: ایک نیکی اور ہدایت کے دو اجزائے ترکیبی یعنی اولاً ہدایتِ فطرت جس کی جانب اشارہ ہے "اِن کُنْتُ علی بیّنۃٍ من ربّی" کے الفاظ میں اور ثانیاً ہدایتِ وحی و نبوت جس کا ذکر ہے "وَ رَزَقَنِی منہ رِزْقًا حَسَنًا" کے الفاظِ مبارکہ میں۔ یہی ہے وہ حقیقت جو سورۂ نور کی حد درجہ بلیغ تمثیل میں "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ" کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے — اور یہ زیرِ درس سورت یعنی سورہ ہود میں تقریباً تمام رسولوں کی زبان سے لگ بھگ ان ہی الفاظ میں ادا ہوئی جن میں یہاں حضرت شعیبؑ کی زبان سے ادا ہوئی ہے - اور دوسرے ایک داعئ حق اور مصلح مخلص کا اندازِ تخاطب - جس میں نرمی بھی ہے اور گرمی بھی - تشویق و ترغیب بھی ہے اور تہدید و تنبیہ بھی، لیکن ساتھ ہی خود اپنے لئے تواضع بھی ہے اور انکساری بھی لیکن نہ مصنوعی نہ متکلفانہ - کتنا سادہ لیکن بلیغ کلام ہے: بھائیو! ذرا غور کرو - اگر میرے ربّ نے مجھے سلامتئ فطرت سے بھی نوازا اور مزید ہدایتِ نبوت بھی عطا فرمائی تو کیا مجھ پر واجب نہیں ہے کہ اس بھلائی میں تمہیں بھی حصہ دار بنانے کی کوشش کروں - بھائیو، یہ مطلق خیال نہ کرنا کہ میں تمہیں کچھ چیزوں سے روک کر خود ان ہی کا ارتکاب کرنا چاہتا ہوں - میری زندگی اور سیرت تمہارے سامنے ایک کھلی کتاب کے انداز میں موجود ہے - میری کوئی غرض سوائے اصلاح کے نہیں ہے - اور اس کے لئے میں حتی المقدور کوشاں ہوں، اور

اس پر بھی نہ کوئی فخر ہے نہ غرور، یہ سب میرے رب ہی کی توفیق بخشی کا ثمرہ ہے، اُسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی جانب میں رجوع کرتا ہوں۔ بھائیو! دیکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ میری ذات سے کوئی عناد تمہیں اس دعوت کو قبول کرنے سے روک دے اور نتیجتہً تم اس عذابِ استیصال کا نوالہ بن جاؤ جس کا شکار امم سابقہ ہو چکی ہیں۔ پس خواہ مخواہ کے لیت ولعل میں قیمتی مہلت ضائع نہ کرو۔ اور استغفار اور توبہ کے ساتھ اپنے رحیم اور ودود رب کا دامنِ عفو وکرم تھام لو!!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۰

(۴)

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۔

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم  بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ ۰ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْۤ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ۰ وَیٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ ۰ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۰ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ع

(سورۃ ھود ۹۱ تا ۹۵) کا ترجمہ یہ ہے:۔

"انہوں نے کہا: "اے شعیبؑ! جو کچھ تم کہتے ہو اس کا بہت سا حصہ تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم (بذاتِ خود) ہم میں بہت کمزور ہو، اور اگر تمہارے خاندان کا پاس نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر چکے ہوتے۔ اور تم خود ہم پر کچھ بھاری نہیں ہو!" شعیبؑ نے جواب دیا: "اے میری قوم! کیا

میرا خاندان تم پر اللہ سے بھی بڑھ کر بھاری ہے، اور اسے تو تم نے بالکل پس پشت ڈال دیا ہے۔ یقیناً جو کچھ تم کر رہے ہو وہ میرے ربّ کے حیطۂ قدرت سے باہر نہیں! ——— اور اے میری قوم کے لوگو! تم بھی کر دیکھو اپنی سی، میں بھی کئے جاؤنگا (اپنا کام) یہ کوئی دیر کی بات ہے کہ تم خود دیکھ لوگے کہ کس پر آتا ہے وہ عذاب جو اسے رسوا کر کے رکھ دے اور کون ہے وہ جو جھوٹا ہے سو اب راہ دیکھو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں، اور جب آپہنچا ہمارا حکم تو ہم نے شعیبؑ اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمتِ خصوصی سے بچا لیا، اور جو ظلم کے مرتکب رہے تھے ان کو ایک کڑک دار آواز نے دبوچ لیا جس کے نتیجے میں وہ اپنی بستیوں میں ایسے اوندھے پڑے رہ گئے جیسے کہ وہ ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ خوب کان کھول کر سن لو! نابود ہوئے مدین والے جیسے نابود ہوئی تھی قوم ثمود!" ——— آیات کا ترجمہ ختم ہوا!

سورۂ ہود کے آٹھویں رکوع میں جو بارہ آیات پر مشتمل ہے پہلے حضرت شعیبؑ کے قول کی صورت میں ان کی اساسی دعوت کا خلاصہ آیا ہے۔ پھر قوم کے جواب کی صورت میں اس کا ابتدائی ردِّ عمل بیان ہوا ہے۔ جس کی "تان ٹوٹی ایک حد درجہ کھسیانے مگر شدید چبھنے والے طنز و طعن پر کہ: لے دے کر ایک تم ہی تو دانشمند اور راستباز رہ گئے ہو" پھر حضرتِ شعیبؑ کی جوابی تقریر آئی جس پر گذشتہ درس ختم ہوا تھا اور جو واقعہ یہ ہے کہ داعیانہ طرزِ خطاب اور حکیمانہ طرزِ تبلیغ کا پیغمبرانہ شاہکار ہے، اس کا جواب قوم نے دیا وہ آج کی زیرِ درس آیات کے آغاز میں وارد ہوا ہے، اس میں ایک جانب تو وہ اعترافِ شکست اپنی منطقی انتہا کو پہنچا ہوا نظر آتا ہے جس کا کسی قدر اظہار پہلے بھی ہو چکا ہے اور دوسری جانب ان کی جھنجلاہٹ نقطۂ عروج کو پہنچی نظر آتی ہے۔

جہاں تک قوم کے اعترافِ شکست کا تعلق ہے تو اخلاقی میدان میں شکست تو وہ پہلے ہی تسلیم کر چکے تھے جب وہ اپنی بداعمالیوں کا نہ تو انکار کر سکے نہ ہی ان کے لئے کوئی وجہ جواز پیش کر سکے۔ اور کھسیانی بلی کھمبا نوچے" کے مصداق اگر کچھ کر سکے تو صرف یہ کہ خود حضرت شعیبؑ پر نیکی اور پاکبازی کا طعنہ جڑ دیا۔

بالکل ایسے جیسے کہ وہ شخص جو چت ہو گیا ہو زمین پر لیٹے ہوئے سینے پر سوار حریف کے منہ پر تھوک دے ——— اس سے آگے بڑھ کر معاملہ ہے ذہنی و فکری شکست کے اعتراف کا کہ پیغمبرانہ دعوت اور حکیمانہ طرز خطاب کے آگے بے بس اور لاجواب ہو کر قوم نے آخری پناہ جہالت اور قصور فہم کے اعتراف میں لی کہ "اے شعیب، تمہاری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ ہی سے باہر ہیں! ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ تم کہتے کیا ہو!" گویا کہ ان کی سٹی گم ہو چکی اور عقل کی محکمات اور فطرت کی بدیہیات پر مبنی پیغمبرانہ دعوت نے انہیں بالکل بے بس اور ناچار کر کے رکھ دیا۔

اور یہی وہ مرحلہ ہے جس پر جھنجھلاہٹ ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ آگے ان کا قول نقل ہوا کہ جہاں تک تمہاری اپنی ذات کا تعلق ہے تم ایک کمزور و ناتواں انسان ہو اور ہم پر ہرگز بھاری نہیں اگر تمہارا کنبہ قبیلہ نہ ہوتا جس کی حمیت و حمایت ہماری راہ میں حائل ہے تو ہم کبھی کا تمہیں مچھر کی طرح مسل چکے ہوتے۔

یہ مقام دو اعتبارات سے قابل توجہ ہے: ایک یہ کہ اس پہلو سے اس سورۃ مبارکہ میں ایک فوری تقابل یعنی ——— SIMULTANIOS CONTRAST سامنے آتا ہے کہ حضرت شعیبؑ کے تذکرے سے متصلاً قبل ذکر آیا ہے حضرت لوطؑ کا۔ جو ایک غیر قوم کی جانب مبعوث کئے گئے تھے جہاں ان کا اپنا کوئی کنبہ یا قبیلہ موجود نہ تھا جس کی حمیت و حمایت کا کوئی حصار کسی درجے میں ان کی حفاظت کر سکتا، لہٰذا شدت احساس میں آنجناب کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے کہ "لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ۝" یعنی "کاش کہ میرے پاس تمہارے مقابلے کے لئے طاقت ہوتی یا میں پناہ ہی لے سکتا کسی مضبوط پناہ گاہ میں!" ——— اس کے برعکس صورت حال ہے حضرت شعیبؑ کے ساتھ کہ ان کے دشمن جھنجھلا رہے ہیں اس بات پر کہ اگر ان کے گرد کنبے یا قبیلے کی حمیت و حمایت کا حصار نہ ہوتا تو وہ انہیں کوئی مہلت نہ دیتے اور کبھی کے سنگسار کر چکے ہوتے۔ دوسرے یہ کہ ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کے حالات و وقائع کے بیان میں ؎

خوشتر آں باشد کہ سِرّ دلبراں　　گفتہ آید در حدیثِ دیگراں!"

کے مصداق عکاسی ہو رہی ہے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ اور آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے دوران پیش آمدہ حالات و واقعات کی۔ بنظرِ غائر دیکھا جائے تو آغازِ وحی اور حکم تبلیغ کے بعد قیامِ مکہ کے بارہ تیرہ سالوں کے دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں ہی قسم کے حالات سے رہا۔ چنانچہ پہلے دس سالوں کے دوران آپؐ کو اپنے خاندان یعنی بنی ہاشم کی حمیت و حمایت کی پشت پناہی حاصل رہی۔ اس لئے کہ خاندان کی سربراہی کا منصب ابوطالب کو حاصل تھا جو اگرچہ حضورؐ پر ایمان نہیں لاتے تاہم اپنی ذات میں بھی ایک شریف النفس انسان تھے اور آنحضورؐ سے بھی شدید محبت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قریش آنحضورؐ کے خلاف کوئی فیصلہ کن اقدام نہ کر سکے۔ اغلباً ۹ھ نبوی میں ان کا وفد فیصلہ کن گفتگو کے لئے ابوطالب کے پاس آیا اور آخری الٹی میٹم دے گیا کہ اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، یا تو اپنے بھتیجے کی حمایت سے دستکش ہو جاؤ یا پھر میدان میں آکر مقابلہ کرلو۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر ابوطالب کی ہمت بھی جواب دینے لگی اور جب اس کا اظہار آنحضورؐ کے سامنے ہوا تو خود آپؐ کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں لیکن چچا کی اس بات کے جواب میں کہ "بھتیجے! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں برداشت نہ کر سکوں!" جب آپؐ کی زبان مبارک سے یہ پر عزم الفاظ نکلے کہ "چچا جان" اب تو یا تو یہ کام پورا ہو کر رہے گا یا میں اسی میں اپنے آپ کو ہلاک کر لوں گا" تو عزیمت نبوت سے سہارا پاکر ابوطالب کی ہمت بھی دوبارہ قائم ہو گئی اور ان کی زندگی میں قریش اپنے الٹی میٹم کو عملی جامہ پہنانے کی جرأت نہ کر سکے!! ــــ البتہ ۱۰ھ میں ان کے انتقال کے بعد خاندانی حمیت و حمایت کا یہ دفاعی حصار ختم ہو گیا اور قیام مکہ کے باقی تین سالوں کے دوران آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم اس صورتِ حال سے دوچار رہے جو حضرت لوطؑ کے تذکرے میں سامنے آتی ہے! یہی وجہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالٰی کی نصرت و حمایت کا باطنی سہارا تو انبیاء و رسل کی تو بڑی بات ہے ہر بندۂ مومن کو ہر آن اور ہر حال میں حاصل رہتا ہی ہے تاہم عالم واقعہ میں الفاظ

قرآنی " وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ " کے مطابق ظاہری و مادّی اسباب کے حصول کی کوشش بھی لازم و واجب ہے لہٰذا آنحضورؐ نے سنہ نبوی ہی میں طائف کا سفر اختیار کیا - یہ دوسری بات ہے کہ حکمتِ الٰہی اور مشیّتِ ایزدی میں دارالہجرت قرار پانے کا شرف طائف کی قسمت میں نہ تھا بلکہ یثرب کے لئے مقدّر تھا! چنانچہ طائف تو آنحضورؐ بنفسِ نفیس تشریف لے گئے پھر بھی بات نہ بنی اور یثرب کے لوگ خود چل کر حاضر ہوئے اور کو نبوی کو ساتھ لے گئے! ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست  تانہ بخشد خدائے بخشندہ!"

واضح رہے کہ انبیاء و رسل کے حالات و واقعات کے بیان کی جو اصل غرض اسی سورۂ مبارکہ کی آیت نمبر ۱۲۰ میں بیان ہوئی ہے وہ یہی ہے کہ " وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ " یعنی " (اے نبی) ہم آپ کو رسولوں کے یہ تمام اہم واقعات سنا کر آپکے دل کو تقویت دے رہے ہیں!" تاکہ ان میں جاری و ساری سنت اللہ کے مشاہدے سے آپؐ اور آپ کے ساتھی اہل ایمان کے دلوں کو تقویت حاصل ہو!

قوم کے انکار و اعراض پر جو آخری قولِ فیصل حضرت شعیبؑ کا ان آیاتِ مبارکہ میں نقل ہوا ہے اس میں اوّلاً اُن کی نادانی اور جہالت پر حسرت کا اظہار ہے کہ " نادانو! تمہیں میرے خاندان کی طاقت و قوت کا تو اتنا خیال ہے شدید جھنجھلاہٹ کے باوجود مجھ پر دست درازی کی جرأت نہیں کر رہے — لیکن اللہ کی قدرت و اختیار کو تم بالکل بھلا بیٹھے ہو - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے وجود کے مُنکر تو وہ لوگ نہ تھے البتہ وہ اُن کے شعور سے دور ہو گیا تھا - اور فی الواقع مشرکانہ اوہام و عقائد کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اگرچہ ایک خدا کے بزرگ و برتر کے وجود کا انکار نہیں ہوتا تاہم اس کے اور بندوں کے درمیان بہت سے فرعوں معبود حائل ہو جاتے ہیں چنانچہ ایک تو اس کی ذات بھی ان کے فوری سوچ بچار اور شعوری غور و فکر کے دائرے سے دُور بہت دُور ہو جاتی ہے۔ جس کی جانب اشارہ ہے آیاتِ زیرِ درس میں " وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ

ظِهْرِيًّا" کے الفاظ مبارکہ میں یعنی "اس کو تو تم نے ڈال دیا ہے بالکل پس پشت!" اور دوسرے اس کی صفاتِ کمال کا ادراک بالکل معدوم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نہ وہ "علی کل شیءٍ قدیر" نظر آتا ہے نہ "بکل شیءٍ علیم"۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان باللہ کے ضمن میں قرآن حکیم ایک جانب تو ذاتِ باری تعالیٰ کے قرب پر زور دیتا ہے جیسے آیاتِ مبارکہ "وَ اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ" اور "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" میں اور دوسری طرف اللہ کے اسماء و صفات کا بیان اس درجہ اعادہ و تکرار کے ساتھ کرتا ہے کہ وہ قاری کے ذہن و شعور میں پوری طرح مرتسم ہو جاتی ہیں۔ آخر میں حضرت شعیبؑ کا اپنی قوم سے اعلانِ برأت ہے کہ "تم اپنی سی کر دیکھو میں اپنی سی کر رہا ہوں۔" — "يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ" اور اس کے لگ بھگ الفاظ سے بعض ناسمجھ لوگوں نے رواداری کا مضمون اخذ کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ ان الفاظ کے تیور بالکل جُدا ہیں اور ان میں رواداری کے بالکل برعکس بیزاری اور برأت بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تحدی اور چیلنج کا مفہوم پنہاں ہے کہ اگر اب تک تم لوگوں نے میرے کسی ذاتی یا خاندانی لحاظ کی وجہ سے میری مخالفت اور دشمنی میں کوئی کسر اٹھا رکھی ہے تو اب میں تمہیں اس سے بھی فارغ خطی دیتا ہوں، جو بھی کچھ تم سے بن آئے کر گزرو — جو کچھ میرے امکان میں ہے میں کر رہا ہوں۔ اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کے ظاہر ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔ کوئی دیر کی بات ہے کہ تم خود دیکھ لوگے کہ رسواکُن عذاب کس پر مسلط ہوتا ہے — اور ہم میں سے جھوٹا اور خود غلط کون ہے، میں یا تم؟ — واضح رہے کہ اس یقینِ محکم کے ساتھ جو ان الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ قوم عذاب کی مستحق بن چکی ہے اور وہ ان پر مسلط ہو کر رہے گا "وَارْتَقِبُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ" کے الفاظ میں اشارہ ہو گیا کہ اُس وقت معین کا علم کہ عذاب کب آئے گا صرف اللہ کو تھا، لہٰذا حضرت شعیبؑ بھی اس کا انتظار ہی کر سکتے تھے — بہرحال وہ اپنے وقتِ معین پر آ کر رہا، نتیجۃً صرف رسول

اوران کے ساتھ اہل ایمان بچا لئے گئے اور باقی پوری قوم کو ایسے نیست و نابود کر دیا گیا - جیسے کہ وہ کبھی تھے ہی نہیں - اعاذنا اللہ من ذالک واخر دعوانا الحمد للہ رب العلمین ۔

(۵)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۙ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ ۝
یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ
الْمَوْرُوْدُ ؕ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ
الْمَرْفُوْدُ ؕ (آیت ۹۶ تا ۹۹)

ترجمہ: " اور ہم نے موسیٰ کو اپنے معجزات اور واضح سند کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیان مملکت کی طرف رسول بنا کر بھیجا - تو انہوں نے فرعون ہی کی پیروی کی، حالانکہ فرعون کا معاملہ درست نہ تھا - قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور انہیں لے جا اتارے گا آگ پر، اور وہ بدترین گھاٹ ہے جس پر اترا جائے، اور پیچھے لگا دی گئی ان کے لعنت اس (دنیا) میں بھی اور قیامت کے دن بھی، کتنا بُرا صلہ ہے جو کسی کو نصیب

قوم نوحؑ، قوم ہودؑ، قوم صالح، قوم لوطؑ اور قوم شعیبؑ کے بعد سورۂ ہود کی ان آیات مبارکہ میں قصۂ فرعون و موسیٰؑ مختصراً مذکور ہوا ہے - جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے - اس اعتبار سے سورہ یونس اور سورۂ ہود میں ایک مکسی نسبت ہے - سورۂ یونس کی ۱۰۹ آیات سے صرف ۲۳ انبیاء الرسل پر مشتمل ہیں جبکہ سورۂ ہود کی کل ۱۲۳ آیات میں سے ۷۵ میں ان واقعات کا تذکرہ ہے - اسی طرح وہاں حضرت نوح اور ان کی قوم کے حالات بہت مختصر طور پر بیان ہوئے ہیں اور حضرت موسیٰؑ اور آل فرعون کا ذکر مقابلۃً نہایت تفصیل سے آیا ہے - جبکہ سورۂ ہود میں حضرت نوحؑ کا ذکر دو رکوعوں پھیلا ہوا ہے اور قصۂ فرعون و موسیٰؑ صرف چار آیات پر مشتمل ہے - یہ قرآن حکیم کی

سُورتوں میں نسبتِ زوجیّت کی نہایت نمایاں مثال ہے۔

حضرت موسیٰؑ "اولوالعزم من الرّسل"، یعنی چوٹی کے پانچ یا سات برگزیدہ ترین رسولوں میں سے ہیں اور جملہ انبیاء ورسل میں بہت سے اعتبارات سے رسولِ کامل و اکمل حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ محسوس ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں ان کا ذکر کے بعد سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اور باعادہ وتکرار آیا ہے۔ چنانچہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اپنی تالیف 'قصص القرآن' میں قرآن حکیم کی اُن آیات کی کُل تعداد ۱۵۱۴ بتائی ہے جن میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون علیہما السلام اور بنی اسرائیل اور آل فرعون کے حالات و واقعات بیان ہوتے ہیں۔ گویا کہ قرآن مجید کا لگ بھگ تیرھواں حصّہ ان کے ذکر پر مشتمل ہے۔ تازہ ترین اثری تحقیقات کے مطابق آنجنابؑ تیرھویں صدی قبل مسیحؑ میں مصری حکمرانوں کے انیسویں [19] خاندان کی حکومت کے دوران رعمسیس دوم نامی فرعون کے زمانے میں پیدا ہوئے اور مشیّتِ ایزدی کے تحت انہوں نے اسی فرعون کے محل اور اسی کی آغوش میں تربیت پائی حالانکہ وہ بنی اسرائیل کے حق میں نہایت ظالم وجابر تھا اور اُس نے ان کو تاریخ انسانی کے بدترین مظالم کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ اس شخص نے بہت طویل عمر پائی لیکن اُس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے ڈیڑھ سو بیٹوں میں سے تیرھویں [13] بیٹے منفتاح کو حکومت سنبھلوا دی تھی۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰؑ مدین سے واپسی پر رسالت سے سرفراز ہوئے تو فریضۂ رسالت کی ادائیگی کے لئے جس فرعون کے سامنے پیش ہوئے وہ یہی منفتاح تھا۔ واضح رہنا چاہیئے کہ جس طرح ہمارے رسول اکرمؐ دو بعثتوں کیساتھ مبعوث ہوئے ہیں یعنی ایک [1] بعثت خاص الیٰ اہل العرب یا الیٰ بنی اسماعیل اور دوسری بعثت عام الیٰ کافۃ النّاس، اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی بعثت بھی دوہری تھی۔ چنانچہ آنجنابؑ کی نبوّت تو عام تھی بنی اسرائیل کے لئے بھی اور آلِ فرعون کے لئے بھی، لیکن رسالت کا رُخ صرف آل فرعون کی جانب تھا۔ چنانچہ اس کی صراحت موجود ہے قرآن حکیم کے دوسرے متعدد مقامات کی طرح

اس مقام پر بھی کہ " وَلَقَدْ اَرسلنا موسیٰ بآیٰتنا و سُلطٰنٍ مبینٍ الی فرعون وَ ملا ئہٖ یعنی ہم نے موسیٰؑ کو بھیجا فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت کی طرف ۔ ان الفاظ سے ایک اور حقیقت بھی واضح ہوتی ہے اور وہ یہ کہ مصر میں اس وقت وہ نظام ملوکیت پوری طرح رائج و نافذ تھا جس کے شکنجے میں کم و بیش تین ہزار برس تک تقریباً پوری نوع انسانی جکڑی رہی ہے۔ یعنی یہ کہ حاکمِ اعلیٰ ایک بادشاہ ہوتا تھا اور اس کی حکومت قائم ہوتی تھی جاگیرداروں اور منصبداروں یعنی Feudal lords کے بل پر۔ اس کی حکومت میں عوام الناس کی حیثیت فی الواقع کالانعام، یعنی حیوانوں کے مانند ہی ہوتی تھی اور جملہ مسائل و معاملات کی باگ ڈور بادشاہِ وقت اور اس کے درباریوں ہی کے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ وقت کو بھی براہ راست ان ہی کے سامنے دعوتِ حق پیش کرنے کا حکم ملا۔ اس مقصد کے لئے جو چیزیں حضرت موسیٰؑ کو حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالےٰ کی جانب سے عطا ہوئیں ان کو یہاں دو اصطلاحات کے ذریعے بیان کیا گیا ایک " اٰیٰتنا " اور دوسرے " سلطٰنٍ مبین " ان کے مفہوم کے تعیّن میں مفسّرین کے مابین اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے آیات یعنی نشانیوں سے مراد عصا اور یدِ بیضا سمیت وہ نو نشانیاں لی ہیں۔ جن کا ذکر سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۱۰۱ میں وارد ہوا ہے۔ اور سلطنِ مبین سے مراد ان میں سے سب سے اہم معجزہ یعنی عصاء موسیٰؑ کو مانا ہے۔ اس طرح گویا یہ عطف الخاص علی العام کا معاملہ ہوا۔ بعض حضرات کے نزدیک آیات سے مراد جملہ معجزات ہیں اور " سلطنِ مبین " سے مراد حضرت موسیٰؑ کی وہ تقریر ہے جس نے فرعون کو بالکل لاجواب کر کے رکھ دیا تھا اور اسطرح گویا ان کو کھلا غلبہ عطا کر دیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب ! ۔۔۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ فرعون کے اعیانِ سلطنت نے فرعون ہی کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا معاملہ یا اس کی رائے یا اس کی راہ راست نہ تھی ۔ " فاتبعوا امر فرعون وَما امر فرعون برشید ہ " امر کا لفظ بہت وسیع المعنیٰ ہے، اس میں رائے، مسلک اور معاملات سب کی جانب اشارہ ہے / اور الفاظ قرآنی میں ایک تصویر حال سامنے آتی ہے کہ

جب حضرتِ موسیٰؑ نے فرعون کے دربار میں دعوتِ حق پیش فرمائی اور فرعون نے جتنی جرح بھی ان پر کی اس سب میں اسے لاجواب کر کے رکھ دیا اور وہ بالکل کھسیانا سا ہو کر رہ گیا تو ہر دیکھنے والی آنکھ نے دیکھ لیا تھا کہ حق کس جانب ہے اور موقف کس کا قوی ہے لیکن چونکہ اصل اہم معاملہ مفادات کا ہوتا ہے اور جاگیر داروں اور منصبداروں کے مفادات اُس نظام سے وابستہ تھے جس کے مرکز و محور کی حیثیت فرعون کو حاصل تھی جس کی جانب واضح اشارہ سورہ زخرف میں منقول فرعون کے ان الفاظ میں موجود ہے کہ :- أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي ! " یعنی کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں ہے اور یہ نہروں کے ذریعے آبپاشی کا نظام بھی میرے زیر انتظام نہیں ہے ؟ " لہٰذا انہوں نے من حیث الجماعت اپنا پورا وزن اسی کے پلڑے میں ڈالنے میں عافیت سمجھی - بالکل ایسے جیسے علامہ اقبال مرحوم نے اپنی نظم " ابلیس کی مجلس شوریٰ " میں ابلیس یا اس کے کسی نائب کی زبان سے کہلوایا ہے کہ ع " نظامِ کہنہ کے پاسبانو ! یہ معرضِ انقلاب میں ہے ! " ـــــ اس کے بعد آیات نمبر ۹۸ اور نمبر ۹۹ کے الفاظ قرآن حکیم میں Pathos یعنی حزن و تاسّف کے اظہار کے اعتبار سے ذروۂ سنام یا نقطۂ عروج کی حیثیت رکھتے ہیں - يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ " یعنی وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا قیامت کے دن اور بالآخر انہیں لے جا اتارے گا جہنم کے گھاٹ پر اور کیا ہی بُرا ہے وہ گھاٹ جس پر اترا جائے " - یعنی قوم فرعون نے جس طرح دنیا میں اپنی عقل سے کام لینے اور اپنے شعور کو بروئے کار لانے کی بجائے اندھے بہرے ہو کر فرعون کی پیشوائی کو اختیار کیا اس طرح قیامت کے دن وہ جلوس کی صورت میں فرعون کی قیادت میں جہنم کا رُخ کرے گی اور وہ اسے بالآخر جہنم میں لے جا گرائے گا - اور کسقدر برا ہے وہ انجام جس تک یہ لوگ پہنچیں گے ـــ " وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ " یعنی فرعون کے درباری و حواری ـــ اور ان کے اتباع میں

اُن کی قوم کے عوام کالانعام جس کیفیت کے ساتھ فرعون کے پیچھے لگے وہ بالکل ایسے تھا جیسے لعنتِ خداوندی ان کو پیچھے سے دھکیل رہی ہو اور وہ اندھے بہرے ہو کر آگے بڑھے جا رہے ہوں۔ اور یہی نقشہ ان کا قیامت کے روز بھی ہوگا۔ بلکہ اس روز تو حقائقِ معنوی مجسّم ہو کر سامنے آجائیں گے۔ اور لعنتِ خداوندی ان پر پوری طرح مسلّط نظر آئے گی۔

آخری الفاظ یعنی "بئس الرفد المرفود" میں خزینہ کیفیت عروج کو پہنچی نظر آتی ہے۔ رِفد کے معنی صلے یا عطیے کے ہیں۔ اور یہ نظامِ ملوکیت کا ایک جانا پہچانا معاملہ ہے کہ بادشاہ اپنے منظورِ نظر اور وفادارانِ سلطنت کو گاہے بگاہے انعام و اکرام اور اعلیٰ پوشاکوں اور خلعتوں سے نوازتے رہتے ہیں۔ تو گویا یہ ہے۔ لعنتِ خداوندی کا وہ اصل انعام و اکرام اور ابدی ذلّت و رسوائی کی خلعتِ فاخرہ جو فرعون کی جانب سے اپنے وفاداروں اور حواریوں کو ملی اور کیا ہی برا ہے یہ صلہ اور کتنا بھیانک ہے یہ انجام!

یہ واضح رہے کہ یہ معاملہ "حکم الاکثر حکمُ الکل" کے مطابق ہے ورنہ قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ فرعون کے درباریوں میں سے کم از کم ایک صاحب تو ایسے حق پرست نکلے۔ جنہوں نے ایمان کی دعوت پر لبّیک کہا اور کچھ عرصہ تک تو اپنے ایمان کو چھپائے رکھا لیکن جب نوبت بایں جا رسید کہ فرعون حضرت موسیٰ کو قتل کرنے پر تُل گیا تو انہوں نے تمام مصلحتوں وغیرہ کا پردہ چاک کر کے نعرۂ حق بلند کر دیا اور ایسی فصیح و بلیغ اور موثّر تقریر دربار میں کی کہ خود فرعون کے چھکّے چھوٹ گئے اور اس کا سارا دبدبہ اور طنطنہ ہوا ہو گیا اور وہ کھسیانا ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ "مَا اُرِیکُم اِلّا مَا اَرٰی وَمَا اَھدِیکُم اِلّا سَبِیلَ الرَّشَادِ"

یعنی "میں تو تم لوگوں کو وہی کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں جو خود مجھے سجھائی دے رہا ہے۔ اور میں نہیں رہنمائی کر رہا تمہاری مگر بھلائی کی راہ کی جانب" جس کے جواب میں اس مردِ حق اور بندۂ مومن نے بھرے دربار میں جوابی نعرہ لگایا کہ

"یٰقَومِ اتَّبِعُونِ اَھدِکُم سَبِیلَ الرَّشَادِ" یعنی "اے میری قوم کے لوگو! فرعون کے بھرّے میں نہ آؤ بلکہ میری پیروی کرو۔ میں تمہاری رہنمائی کرونگا

بھلائی کی اصل راہ کی جانب!" ـــــــ یہ دوسری بات ہے کہ قوم کی عظیم اکثریت کی مت بالکل ماری جاچکی تھی اور وہ اپنے دنیوی مفادات کے باعث بالکل اندھے اور بہرے ہو گئے تھے۔ "نتیجۃً" وہ بدترین انجام سے دوچار ہو کر رہے اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ـــ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِن ذالِکَ ۔

وَاٰخِرُ دعوانا ان الحمدُ للّٰہِ ربِّ العالمین ۰

## (٦)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ۰ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ذٰلِکَ مِنْ اَنۡبَآءِ الۡقُرٰی نَقُصُّہٗ عَلَیۡکَ مِنۡہَا قَآئِمٌ وَّحَصِیۡدٌ ۰ وَمَا ظَلَمۡنٰہُمۡ وَلٰکِنۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ فَمَاۤ اَغۡنَتۡ عَنۡہُمۡ اٰلِہَتُہُمُ الَّتِیۡ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمۡرُ رَبِّکَ ط وَمَا زَادُوۡہُمۡ غَیۡرَ تَتۡبِیۡبٍ ۰ وَکَذٰلِکَ اَخۡذُ رَبِّکَ اِذَاۤ اَخَذَ الۡقُرٰی وَہِیَ ظَالِمَۃٌ ط اِنَّ اَخۡذَہٗۤ اَلِیۡمٌ شَدِیۡدٌ ۰ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّمَنۡ خَافَ عَذَابَ الۡاٰخِرَۃِ ط ذٰلِکَ یَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ ۙ لَّہُ النَّاسُ وَذٰلِکَ یَوۡمٌ مَّشۡہُوۡدٌ ۰ وَمَا نُؤَخِّرُہٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ ۰ یَوۡمَ یَاۡتِ لَا تَکَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ ج فَمِنۡہُمۡ شَقِیٌّ وَّسَعِیۡدٌ ۰ (سورہ ھود آیت ١٠٠ تا ١٠٥)

ترجمہ :۔ "یہ بستیوں کی سرگزشتوں میں سے چند ہیں جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں، ان میں سے بعض (تا حال) قائم ہیں اور بعض کی فصل (کبھی کی) کٹ چکی! اور ہم نے ان پر (ہرگز) ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم ڈھایا تو جب تیرے رب کا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے اُن کے وہ (مزعومہ) معبود جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے اور انہوں نے ان کی بربادی کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہ کیا۔ اور ایسے ہی ہوتی ہے تیرے رب کی پکڑ جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے جبکہ وہ ظلم پر کاربند ہوتی ہیں۔ یقیناً اس کی پکڑ نہایت دردناک بھی ہے اور حد درجہ سخت بھی بے شک اس میں اس انسان کے لئے بڑی نشانی ہے جو عذاب آخرت کا خوف رکھتا ہو۔ وہ ایسا دن ہوگا جس میں تمام

انسان جمع کئے جائیں گے - اور وہ (سب کی) حاضری کا دن ہوگا - اور ہم اسے ٹال نہیں رہے مگر (صرف) ایک گنی چنی مدت کے لئے - جس دن وہ آدھمکے گا تو کسی جان کو اُس کے اذن کے بغیر بولنے کا یارا نہ ہوگا - پس ان میں سے کچھ نیک بخت ہوں گے اور کچھ بدبخت!" ترجمہ ختم ہوا! -

قوم نوحؑ، قوم ہودؑ، قوم صالحؑ، قوم لوطؑ، قوم شعیبؑ اور آل فرعون پر رسولوں کی دعوت پر لبیک نہ کہنے بلکہ اعراض و انکار اور کفر و تکذیب کی روش پر جم جانے کے باعث جو عذاب استیصال نازل ہوا اس کے تذکرے کے بعد اب ایک نہایت جامع تبصرہ آیات زیر درس میں ہو رہا ہے - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: "ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝" یعنی "اے نبی! نسلِ آدم کی تاریخ کے دوران جن بستیوں پر ان کے رہنے والوں کے کفر پر اصرار کے باعث عذابِ ہلاکت نازل ہوا اُن میں سے ہم صرف چند کے حالات ہیں جو ہم آپ کو سُنا رہے ہیں، ان بستیوں میں سے بعض تو وہ ہیں جو بالکل ملیامیٹ ہوگئیں اور ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا - جیسے کہ قرآن حکیم میں دوسرے مقامات پر آتا ہے کہ "کان لم تغن بالامس" یعنی جیسے کہ کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں!" (یونس: ۲۴) یا جیسے "کان لم یغنوا فیھا" یعنی "جیسے کہ کل وہاں کبھی آبادی نہ تھے!" (الاعراف ۹۲، ہود: ۶۸ و ۹۵) یا جیسے "لا یُرٰی الا مساکنھم" یعنی "صرف مسکن رہ گئے ان میں سکونت رکھنے والوں کا نام و نشان تک مٹ گیا" (الاحقاف: ۲۵) - اور بعض ان میں سے تاحال قائم ہیں یہ معاملہ ہے مصر کا کہ آل فرعون پر عذاب ان کی بستیوں میں نہیں آیا بلکہ مشیتِ ایزدی نے انہیں ان کی بستیوں سے نکالا اور سمندر میں غرق کر دیا - چنانچہ قوم تو ہلاک ہوگئی لیکن ان کی بستیاں جوں کی توں قائم رہ گئیں - اس کے بعد فرمایا: وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یعنی ہم نے ان پر ہرگز کوئی زیادتی نہیں کی وہ خود ہی ہمارے قانونِ مجازات کی زد میں آگئے - گویا انہوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا - اور اللہ تعالیٰ نے جو عقل و شعور کی استعدادات ان کو عطا فرمائی تھیں ان کو بے کار کر کے رکھ چھوڑا اور اندھے بہرے ہو کر شہوات و خواہشات کی پیروی میں لگ

گئے - " فما اغنت عنهم الهتهم التی یدعون من دون الله من شیء لما جاء امر ربک " یعنی جب ان کی اس شامتِ اعمال کے باعث ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تو اُن کے وہ نام نہاد دیوی دیوتا ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے - اس لئے کہ ان کا حقیقی وجود تو کوئی تھا ہی نہیں، وہ تو سرتا سر اُن کے اپنے ذہن کے تراشیدہ اور وہم کی پیداوار تھے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎ " می تراشد فکر ما ہر دم خداوندے دگر - " " وما زادوھم غیر تتبیب " یعنی انہوں نے اُن کے حق میں کسی چیز کا اضافہ نہ کیا سوائے تباہی و بربادی کے - اس لئے کہ وہ اپنے ان ہی جھوٹے ذہنی سہاروں کے باعث اپنی غلط کاریوں اور کج رویوں میں جری ہوتے چلے گئے تھے - اگر یہ غلط سہارا نہ ہوتا تو ممکن ہے کبھی حقیقت ان پر منکشف ہو ہی جاتی اور ان کے قدم راستی کی جانب اٹھ ہی جاتے - مذکورہ معذّب اقوام میں سے صرف قومِ نوحؑ کے بارے میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بُت بعض فوت شدہ بزرگوں کے نام پر بنائے گئے تھے - گویا ان کا طرزِ عمل وہی تھا جو بعد میں پوری شدّت کے ساتھ نصاریٰ نے اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرتِ مسیحؑ ہی کو معبود بنا لیا ان کے معاملے میں " وما زادوھم غیر تتبیب " کا یہ اضافی مفہوم بھی سامنے آتا ہے کہ محاسبۂ اُخروی کے وقت اللہ کے ان پیغمبروں اور اولیاء کی اپنے نام نہاد پرستاروں سے بیزاری و براءت ان کی ذلت و خواری میں مزید اضافے کا سبب بنے گی - عین ممکن ہے کہ بعض دوسری اقوام کے مزعومہ معبودوں کا معاملہ بھی ایسا ہی ہو - واللہ اعلم! آگے ارشاد ہوتا ہے: " اِنَّ فِیْ ذالک لآیۃ لمن خاف عذاب الآخرۃ " یعنی نبی اکرمؐ کے اس قولِ مبارک کے مصداق کہ " اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَیْرِہٖ " یعنی " اصل نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کے احوال سے سبق حاصل کرے! " ان حالات و واقعات میں بڑا سبق ہے اور بڑی عبرت ہے ہر اس شخص کے لئے جو کسی بھی درجے میں عذاب اُخروی کا خوف رکھتا ہو - واضح رہے کہ " قرآن حکیم کے بے شمار مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی عملی زندگی پر اصل چھاپ ایمان بالآخرت ہی کی پڑتی ہے، اگر انسان

کو سرے سے آخرت کا یقین ہی نہ ہو۔ یا اُس کا اقرار تو ہو لیکن کسی دوسرے غلط عقیدے جیسے شفاعتِ باطلہ کی اُمید موہوم کے باعث سزا اور عقوبت کا خوف بالکل زائل ہو جائے تو ایسے شخص کا راہ ہدایت پر آنا محال ہے —— اس کے برعکس اگر عذابِ اُخروی کا خوف کسی درجے میں بھی برقرار ہو تو جلد یا بدیر ہدایت نصیب ہو جانے کا امکان بھی برقرار رہتا ہے۔ آگے قیامت کے دن کے بارے میں فرمایا: "ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ۝" یعنی "وہ دن ایسا ہوگا کہ اس میں پوری نوعِ انسانی جمع کی جائے گی اور وہ دن ہوگا حاضری اور پیشی کا!" —— یہ بالکل وہی اسلوب بیان ہے جو سُورۃ تغابن میں بایں الفاظ وارد ہوا ہے کہ "يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ" یعنی "یاد کرو اُس دن کو جس دن کہ وہ تم سب کو جمع کرے گا جمع کرنے کے دن — وہی دن ہوگا ہار اور جیت اور سود و زیاں کے اصل فیصلے کا!"۔ اُس دن تمام انبیاء و رسل اور کُل داعیانِ حق بھی موجود ہوں گے اور گواہیاں دیں گے۔ بلحوائے الفاظ قرآنی "فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝ ان کی دعوت پر لبیک کہنے والے بھی ہوں گے اور "شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ" کی حیثیت سے پیش ہوں گے۔ اور کافر و مشرک بھی موجود ہوں گے جن کے خلاف داعیانِ حق ہی نہیں خود ان کے اپنے ہاتھ پیر اور اعضاء و جوارح بھی گواہیاں دیں گے۔ آگے فرمایا: وَمَا نُؤَخِّرُهٗ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ ۝" یعنی وہ وقت اگر فوراً نہیں آرہا تو اس دھوکے میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ کبھی بھی نہیں آئے گا۔ یا یہ کہ وہ ابھی اتنی دور ہے کہ فوری طور پر اپنے عیش کو منغّص کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تاخیر و تعویق بس ایک گنی چنی مدّت کے لئے ہی ہے۔ یہ الفاظِ مبارکہ ہرگز کسی مبالغے پر مبنی نہیں ہیں بلکہ عین حق ہیں اس لئے کہ ایک تو بندوں کا حساب اور ہے اور اللہ کا حساب اور۔ اُس کی تقویم کا ایک دن انسانوں کے حساب کے ہزاروں سال کے برابر ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے علمِ ازلی میں ہر شئے بآن واحد موجود ہے —جیسے سورۃ معارج میں فرمایا کہ "اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيدًا وَّنَرٰهُ قَرِيبًا ۝ ——

" یہ لوگ اُسے دُور دیکھ رہے ہیں اور ہم اسے بالکل سامنے دیکھ رہے ہیں" اور تیسرے یہ کہ تمام انسانوں کی اجتماعی قیامت چاہے ابھی کچھ دُور ہی ہو ہر انسان کی انفرادی قیامت یعنی موت تو ہر دم اُس کے سر پر منڈلا ہی رہی ہے ۔ جیسے کہ فرمایا نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ : من مات فقد قامت قیامته" ۔ یعنی جس شخص کی موت آگئی اس کی قیامت تو قائم ہو ہی گئی !" ـــــ آخر میں فرمایا: یَومَ یَاتِ لَا تَکَلَّمُ نَفسٌ اِلَّا بِاِذنِہٖ فَمِنھُم شَقِیٌّ وَّسَعِیدٌ o" ـــــ یعنی وہ جس دن وہ وقت آن پہنچے گا ۔ تو کوئی ذی نفس کلام تک نہ کرسکے گا سوائے اُس کے جسے اللہ تعالیٰ اجازت مرحمت فرمائیں ۔ اس میں قطعی نفی ہوگئی مشرکین کے تصورات کی جو وہ بالخصوص شفاعت باطلہ کے ضمن میں رکھتے ہیں یعنی یہ کہ ان کے مزعومہ معبود اللہ کے یہاں اُن کے سفارشی بنیں گے ۔ بفحوائے الفاظ قرآنی :" ھٰؤُلَآءِ شُفَعَآءُنَا عِندَاللہِ" (یونس : ۱۸) یعنی " ہمارے یہ معبود اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی بنیں گے !" ـــــ وہاں تو صورت یہ پیش آئے گی کہ : " یَومَ یَقُومُ الرُّوحُ وَالمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا لَا یَتَکَلَّمُونَ اِلَّا مَن اَذِنَ لَہُ الرَّحمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا o" یعنی وہاں اوّل تو بغیر اذن ربّ کوئی بول ہی نہیں سکے گا اور جب بولے گا تو سوائے حق اور صحیح بات کے اور کچھ زبان سے نکال نہ سکے گا ! ـــــ نتیجۃً نوع انسانی دو گروہوں میں منقسم ہو جائے گی ایک گروہ نیک بختوں پر مشتمل ہوگا دوسرا بدبختوں پر ۔ ان کے انجام کی تفصیل آگے آئے گی ۔

وَآخِرُ دَعوَانَا اَنِ الحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ

---


مولانا امین احسن اصلاحی کی تالیف

# پاکستانی عورت

دوراہے پر

صفحات ۱۸۴ : قیمت -/۱۰

ڈاکٹر اسرار احمد

پانچویں قسط

# تعارفِ الکتاب

چودھواں پارہ

## رُبَمَا

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ط
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

قرآن مجید کا چودھواں پارہ رُبَمَا کے نام سے موسوم ہے اور اس میں دو سورتیں پوری پوری شامل ہیں۔ یعنی پہلے سورۃ حجر جس کی صرف پہلی آیت تیرھویں پارے میں ہے باقی پوری سورۃ اس چودھویں پارے میں شامل ہے اور دوسری سورۃ النحل۔

سورۃ حجر کے بارے میں اسکے انداز کے اعتبار سے یہ بات نمایاں معلوم ہوتی ہے کہ یہ قرآن مجید کی بالکل ابتدائی عہد کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔ اس لئے کہ اس میں آیات چھوٹی چھوٹی ہیں۔ اور ردھم بہت تیز ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں بالکل آغاز میں قرآن مجید کے بارے میں ایک بڑی اہم حقیقت بیان ہوئی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ اس قرآن کو جو ذکر ہے یاد دہانی ہے۔ نصیحت ہے ہم نے ہی نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ یعنی قرآن مجید کو ہر قسم کی لفظی اور معنوی تحریف سے بچانے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لے لیا ہے۔ یہی وجہ ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک عظیم

معجزہ ہے کہ چودہ سو برس گذر جانے کے باوجود یہ کتاب من وعن موجود ہے اور اسلام کے کسی دشمن کو بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ اس کتاب میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ یہ حضور اکرمؐ کی ختم نبوت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے کہ چونکہ آپکے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا۔ لہٰذا اللہ نے جو کتاب آپکو عطا فرمائی ہے۔ اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ سورۃ حجر میں قصہ آدم و ابلیس بھی ایک نئی شان سے وارد ہوا۔ اور اس میں ایک آیت بہت اہم ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم کی تخلیق سے قبل فرشتوں سے یہ کہہ دیا تھا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝

میں ایک بشر بنانے والا ہوں۔ اس سنے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر کھنکھنانے لگا ہو۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝

تو جب میں اسے مکمل کرلوں اور اس میں اپنی رُوح میں سے پھونک دوں۔ تو گر پڑنا اس کے سامنے سجدے میں۔

معلوم ہوا کہ یہ انسان کا شرف ہے۔ یہ اس کی وہ فضیلت ہے جو کہ اسے تمام موجودات اور مخلوقات پر حاصل ہے۔ کہ اس میں رُوحِ ربانی پھونکی گئی ہے۔ یہ اشرف المخلوقات اسی بنیاد پر ہے۔ اور سجود ملائک بنا۔ یہ عظیم امانت ہے۔ جس کا انسان حامل ہے۔ یہی وہ امانت ہے۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا۔ "ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ لیکن سب ڈر گئے اس کا تحمل نہ کر سکے اس کو اٹھایا انسان نے۔

اس سورۃ مبارکہ کے اخیر میں نبی اکرمؐ کے ساتھ دلجوئی کا معاملہ فرمایا گیا

"اے نبی ہمیں خوب معلوم ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۙ

کہ جو کچھ یہ کفار مشرکین آپ کے معاندین اور مخالفین کہہ رہے ہیں۔ آپ کو اس سے دُکھ پہنچتا ہے۔ آپ کا سینہ اس سے بھنچتا ہے آپ کو اس سے رنج پہنچتا ہے۔ لیکن آپ صبر کیجئے جھیلئے۔ برداشت کیجئے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۙ

اپنے ربّ کے سامنے سجود میں اور راتوں کو اس کے سامنے کھڑے ہو کر راتیں بسر کیا کیجئے۔

اپنے ربّ کی بندگی میں لگے رہیئے۔

اس کے بعد سورۃ نحل آتی ہے۔ یہ نسبتاً ایک طویل سورۃ ہے سولہ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ یہ سورۃ مبارکہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کے بیان میں غالباً جامع ترین سورۃ ہے۔ اللہ تعالےٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا بیان جس جامعیت کے ساتھ اس میں ہوا ہے وہ غالباً کسی اور مقام پر نہیں ہے۔ چنانچہ اس میں مختلف انواع و اقسام کی نعمتوں کا ذکر فرما کر ارشاد کیا جاتا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

اس میں نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو تفکر کریں۔ غور و فکر سے کام لیں پھر کچھ اور نعمتوں کا ذکر فرما کر پھر الفاظ آتے ہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیں۔ کچھ اور نعمتوں کا ذکر فرما کر پھر اعادہ ہوتا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۔

پھر ارشاد فرمایا جاتا ہے۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو۔ تو گن نہ سکو گے۔

اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ تمہاری گنتی سے باہر ہیں۔ کہیں ارشاد ہوتا ہے۔ تو کیا یہ بدنصیب اللہ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا ذکر اس سورۃ مبارکہ میں آیا تو ان کے ضمن میں بھی خاص طور پر یہ الفاظ وارد ہوئے۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا ط وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ ط اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

ابراہیمؑ اپنے رب کی نعمتوں کے شکر گذار تھے۔ شکر ادا کرنے والے۔ تو نعمت خداوندی اللہ کی نعمتوں کا ذکر اس سورۃ مبارکہ میں واقعہ یہ ہے کہ انتہائی جامعیت کے ساتھ آیا اور انسان کو دعوت دی گئی کہ اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے اللہ کو پہچانے۔ اس کی صفاتِ کمال کی معرفت حاصل کرے۔ اس کی توحید کا علم حاصل کرے یہ بات بھی جان لے کہ جس نے نعمتیں دی ہیں وہ نعمتوں کا حساب لے گا۔ محاسبہ اُخروی کی دلیل بھی درحقیقت یہیں سے فراہم ہوتی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی چند اور اہم آیات میں سے مثلاً ایک بڑی جامع آیت ہے جس پر عموماً جمعہ کا جو خطبہ ثانی ہے وہ ختم ہوتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ط۔

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل و انصاف کا احسان کا قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا۔ اور روکتا ہے فحش کاموں سے اور منکرات سے اور برائیوں سے۔

یہ بڑی جامع آیت ہے۔ اور سورۃ بنی اسرائیل جو سورۃ نحل کے بعد آتی ہے۔ اس کے دو رکوعوں میں گویا کہ انہی کی تفصیل آئے گی۔ ایک اور عظیم آیت ہے۔ فرمایا گیا۔

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ

جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۝

اپنے ربّ کے راستے کی طرف بلاؤ - یہ بلانا اوّلاً حکمت کے ساتھ ہونا چاہیئے - دانائی کے ساتھ ہونا چاہیئے - عقلی دلائل کے ساتھ - انسان کے ذہن کو اپیل کرنے والی دلیلوں کے ساتھ - اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ - دوسرے درجے میں دعوت ہے - وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ انتہائی دلنشین پیرائے میں نصیحت کی بات جو سیدھی دل میں جا لگے - جو انسان کے دل میں گھر کر جائے - اور آخری درجہ جدال کی بھی اجازت ہے ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جن کے متعلق علّامہ اقبالؒ نے کہا کہ :-

پھول کی پتّی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

ایسے مرد ناداں بھی ہوتے ہیں جن پر کلامِ نرم و نازک اثر نہیں کرتا - بلکہ نوا را تلخ ترمی زن چوں ذوقِ نغمہ کمیابی -

کچھ تلخ باتیں بھی کرنی پڑتی ہیں - لیکن وہاں بھی ایک بندہ مومن کو شرافت اور متانت وسنجیدگی اور وقار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیئے - تو فرمایا -

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۝

اگر کہیں جدال اور جھگڑا اور بحث اور نزع کی صورت پیدا ہو جائے تو پھر تمہارا طرزِ عمل احسن ہونا چاہیئے - آخری آیت میں فرمایا -

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ -

اے نبی اگرچہ حالات انتہائی نا مساعد ہیں - مخالفتوں کا طوفان ہے - ہر چہار طرف سے رکاوٹیں ہیں - لیکن آپ جمے رہئے - دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہیے - صبر کیجئے - جھیلئے - اور برداشت کیجئے - جو کچھ بھی آپ کو اس راہ میں برداشت کرنا پڑے اور آپ کا صبر اللہ ہی کے سہارے ہے - اسی کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوطی کے ساتھ قائم رکھیئے اور اسی کے حکم اور فیصلے کا

## پندرھواں پارہ

# سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیمط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمط

قرآن مجید کا پندرھواں پارہ سُبْحٰنَ الَّذِیْ کے نام سے موسوم ہے اس میں اوّلاً سورۃ بنی اسرائیل مکمل اور پھر سورۃ کہف کے تقریباً دو تہائی حصے شامل ہیں۔ یہ دونوں سورتیں مصحف کے بالکل وسط میں واقع ہیں۔ اور حکمتِ قرآنی کے عظیم خزانوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان دونوں میں بہت سے پہلو مشابہ ہیں۔ اور بعض اعتبارات سے یہ دونوں مل کر مضامین کی تکمیل کرتی ہیں۔ گویا کہ یہ دونوں برابر ہیں۔ چنانچہ دونوں بارہ بارہ رکوعوں پر مشتمل ہیں۔ اور سورۃ بنی اسرائیل کی ایک سو گیارہ آیات ہیں۔ اور سورۃ کہف کی ایک سو دس پھر دونوں کا آغاز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد سے ہوتا ہے۔ چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل کا آغاز ہوتا ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ . . . ۔ اور سورۃ کہف کا آغاز ہوتا ہے۔ الحمد للہ سے . . . ۔ گویا کہ ایک کے آغاز میں تسبیح باری تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اور دوسرے کی ابتدا حمد باری تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ اور ان دونوں کے مابین جو نسبت ہے۔ وہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے۔ سبحان اللہ سے میزان نصف ہو جاتی ہے۔ اور الحمد سے پُر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دونوں سورتوں کے آغاز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہے۔ اور دونوں میں آپ کی نسبتِ عبدیت کو نمایاں کیا گیا ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔ معلوم ہوا کہ حضور صلعم کی اصل نسبت یا عروجی نسبت یا آپ کا طرۂ امتیاز مقامِ عبدیّت ہے۔ اور آپ عبدیتِ کاملہ کے مقام پر فائز ہیں۔ اگرچہ ہم آپؐ کی عبدیت کو اپنی عبدیت پر قیاس نہیں کر سکتے۔ بقولِ علامہ اقبالؒ :-

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دیگر ماسراپا انتظار اُو منتظر

اسی طرح دونوں سورتوں کا اختتام بھی توحید باری تعالےٰ کی اہم آیات پر ہوتا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آخری آیت ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۝

اے نبی کہہ دیجئے ساری حمد وستائش اور سارا شکر اس اللہ کے لئے ہے جس نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا نہ کوئی حکومت میں اس کا شریک ہے اور نہ ہی کوئی اس کا دوست۔ اس وجہ سے کہ اسے کسی کی امداد اعانت کی احتیاج ہو اور اس کی تکبیر کیجئے جیسا کہ اسکی تکبیر کا حق ہے۔ سورۃ کہف کے آخر میں یہ آیت مبارکہ وارد ہوئی۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج

اے نبی کہہ دیجئے میں تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ مجھ پر وحی ہوتی ہے کہ تمہارا اللہ بس ایک ہی اللہ ہے، اللہ واحد جس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔

اس طرح ان دونوں سورتوں کے وسط میں قصہ ابلیس و آدم کا ذکر ہوا ہے۔ پھر ان دونوں سورتوں میں ہجرت کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا کہ

اے نبی اللہ سے دعا کیجئے وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝

اور چونکہ ہجرت کے سفر کے دوران غار ثور کا واقعہ پیش آنے والا تھا تو اسی نسبت سے محسوس ہوتا ہے کہ سورۃ کہف میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان ہوا۔ ان دونوں سورتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وساطت سے تمام مسلمانوں کو قرآن مجید کے ساتھ ایک محکم اور مضبوط تعلق قائم رکھنے کا حکم ہوا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط
اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ط

اور سورۃ کہف میں ارشاد فرمایا وَاتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ط

گویا کہ بندہ مومن کے صبر و ثبات اور استقامت کا اصل راز بندۂ مومن کی قوت کا اصل منبع اور سرچشمہ تعلق باللہ ہے جس کا سب سے موثر ذریعہ قرآن مجید کو مضبوطی سے تھام لینا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کے آغاز اور اختتام پر بنی اسرائیل کی تاریخ کے بعض اہم واقعات کا ذکر ہے اور اس کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں بنی اسرائیل کو جو احکام عشرہ دیئے گئے تھے۔ یعنی تورات کے (

) ان کا بیان ہوا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی بھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت اس میں تورات کے احکام عشرہ ہی کی تفصیل قرآن مجید نے اپنے الفاظ میں کر دی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں قرآن مجید کا ذکر اور اس کی اہمیت اور اسکی عظمت کا بیان تانے بانے کی مانند بنا ہوا ہے پورے قرآن مجید میں لفظ قرآن ساٹھ مرتبہ وارد ہوا ہے۔ اور اس ایک سورۃ میں سولہ مرتبہ لفظ قرآن وارد ہوا ہے۔ چنانچہ اس میں وہ چیلنج بھی ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ط

اگر تمام انسان اور جن مل کر بھی کوشش کریں تو اس جیسا قرآن تصنیف نہ کر سکیں گے۔ خواہ وہ ایک دوسرے کی کتنی ہی مدد کریں۔ اس سورۃ مبارکہ کے آغاز میں فرمایا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ۔

یہ قرآن وہ کتاب ہے جو رہنمائی کرتی ہے اس راستے کی طرف اَقْوَمُ جو سب سے زیادہ سیدھی اور مستقیم راہ ہے۔ جس میں نہ کوئی کجی ہے اور نہ کوئی پیچ

اور اس کا اختتام ہوتا ہے ان انتہائی پُرجلال اور پُرہیبت الفاظ پر۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ط اس قرآن مجید کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا اور حق ہی کے ساتھ وہ نازل ہوا ہے۔ یعنی اب یہ فیصلہ کن کتاب بن کر آئی ہے۔ اُمتوں اور قوموں کا فیصلہ اب اسی کتاب کے ذریعے ہوگا۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ اب اسی کتاب کی بدولت قوموں کو عروج عطا فرمائے گا اور اس کتاب کو ترک کرنے کے باعث ان کو ذلیل و سوا کر دے گا۔ گویا کہ سورۃ بنی اسرائیل کا مرکزی مضمون قرآن مجید ہے۔ جبکہ سورۃ کہف کا مرکزی مضمون اس حیاتِ دنیوی کی حقیقت کو نمایاں کرنا ہے۔ کہ یہاں کی ساری زینتیں اور آرائشیں یہاں کی ساری چہل پہل یہاں کی ساری رونقیں صرف اس لئے ہیں کہ تمہارا امتحان کیا جائے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝

ہم نے زمین پر جو کچھ بھی ہے اسے اس کا سنگھار بنا دیا ہے۔ اس کی زیبائش اور آرائش بنا دیا ہے۔ تاکہ تمہیں آزمائیں کہ کون ہیں وہ لوگ جو صرف اس پر ریجھ کر رہ جاتے ہیں۔ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کون ہیں وہ باہمت مردانِ خدا جو یہاں رہتے ہوئے بھی اس کی محبت میں گرفتار نہیں ہوتے۔ بلکہ اللہ سے لو لگائے رکھتے ہیں اور اسی سے محبت کرتے ہیں۔

سورۃ کہف کا جو حصہ اس پندرہویں پارے میں آیا ہے اس میں اصحاب کہف کا قصہ بیان ہوا تفصیل کے ساتھ اور یہ بھی درحقیقت انسان کی آزمائش کا ایک اہم واقعہ ہے کہ کچھ نوجوان جو توحید باری تعالیٰ پر پوری طرح قائم ہوگئے۔ ان پر شدائد اور مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ ان کی جان کو اندیشہ لاحق ہوگیا تو انہوں نے توحید پر اپنے آپ کو مستقیم اور ثابت قدم رکھا۔

دروہ اپنی آبادی کو چھوڑ کر ایک غار میں جاکر پناہ گزین ہو گئے۔

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ -

قرآن مجید ان کا ذکر کرتا ہے۔ وہ کچھ ایسے نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اس کا قانون اور ضابطہ یہی ہے کہ جو اسکی طرف بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے لئے اپنی راہیں کھولتے چلے جاتے ہیں اور اس کے لئے نیکی کی راہ کو آسان فرماتے چلے جاتے ہیں۔

سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ کہف ان مرکزی مضامین میں جو نسبت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان سے بڑی واضح ہو جاتی ہے۔ "ان دلوں پر بھی زنگ آجاتا ہے۔ جیسا کہ لوہے پر زنگ آجاتا ہے جبکہ اس پر پانی پڑتا ہے" صحابہؓ نے دریافت کیا۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دلوں کے زنگ کو کس طرح دور کیا جائے اس کا علاج کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔

(حدیث) کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن۔ "کثرت کے ساتھ موت کو یاد کرنا۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا کہ یہ دنیا ہمارا وطن نہیں ہے۔ یہ مستقل ٹھکانہ نہیں ہے یہاں سے بہرحال جانا ہے۔ اور کثرت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت پر کاربند رہنا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں باتوں کی توفیق عطا فرمائے۔

---

سولھواں پارہ

# قَالَ اَلَمْ

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید کا سولھواں پارہ قَالَ اَلَمْ کے نام سے موسوم ہے اس کے

نصف اوّل میں سُورۃ کہف کی بقیہ چھتیس آیات اور سورۃ مریم مکمل شامل ہیں اور اس کا نصف آخر سورۃ طٰہٰ پر مشتمل ہے۔

سُورۃ کہف کے مرکزی مضمون میں انسانوں پر یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ حیات دنیوی محض ایک امتحانی وقفہ ہے۔ اس میں اللہ تعالےٰ انسان کا امتحان لیتا ہے۔ کبھی وہ تنگی سے اور کبھی کشادگی سے آزماتا ہے یہاں کی اونچ نیچ سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے بلکہ جاننا چاہیئے کہ انسان کی اصل منزل آخرت ہے۔ اس پارے میں اس سورۃ مبارکہ کا جو حصّہ شامل ہے اس میں اوّلاً حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ ہے اس واقعہ کا حاصل یہی ہے کہ اس دنیا میں جو واقعات و حوادث رونما ہوتے رہتے ہیں ان کے ظاہر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز انسان کو انتہائی ناگوار ہو۔ لیکن اس کے پردے میں انسان کے لئے اللہ تعالےٰ کی طرف سے خیر کا کوئی پہلو ہو جیسا کہ سورۃ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ
وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ
اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو۔ درآنحالیکہ وہ تمہارے حق میں خیر پر مشتمل ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔ اس کے بعد ذوالقرنین کا ذکر ہوا۔ یہی ایک خدا ترس اور نیک دل بادشاہ تھے جنہیں تاریخ میں کیخسرو یا سائرس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سُورۃ مبارکہ کے آغاز میں اصحاب کہف کا ذکر ہوا۔ جن کا اللہ تعالےٰ نے شداد و مصائب کی صورت میں امتحان لیا۔ ان کے لئے توحید پر کاربند رہنا ناممکن ہو گیا۔ اور وہ مجبور ہو گئے کہ آبادی کو چھوڑ کر ایک غار میں پناہ لے لیں۔ امتحان کی انتہائی کیفیت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی بندے پر اپنے انعامات و نوازشات کی بارش کر دے اسے دنیاوی وجاہت و اقتدار اور دولت و ثروت عطا فرمائے۔ اور دیکھے کہ وہ اللہ کا شکر گذار بندہ ہو کر رہتا ہے یا مغرور ہو کر اللہ کو بھلا بیٹھتا ہے۔ حضرت ذوالقرنین اس دوسری

آزمائش کی ایک بڑی عمدہ مثال ہیں، اللہ تعالےٰ نے انہیں زمین میں تمکن اور غلبہ عطا فرمایا۔ لیکن وہ اللہ تعالےٰ کے نیک دل بندے اور اللہ تعالےٰ سے ڈرنے والے اور عدل و انصاف پر کاربند رہنے والے انسان کی حیثیت ہی سے اس دنیا میں رہے۔ سورۃ کہف کی آخری آیات بڑی اہم ہیں۔ ان میں پھر اس حقیقت کو کھولا گیا ہے کہ انسان کی تباہی کا اصل سبب یہی ہے کہ وہ دُنیا کو اپنا مطلوب و مقصود بنالے۔ فرمایا:۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝

اے لوگو! کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنی سعی و جہد اپنی کدو کاوش کے اعتبار سے سب سے زیادہ گھاٹے اور خسارے میں رہنے والے لوگ کون سے ہیں۔ وہ لوگ کہ جن کی سعی و جہد اس دنیا کی زندگی ہی میں بھٹک کر رہ گئی۔ انہوں نے دنیا ہی کو اپنا مطلوب و مقصود بنایا۔ ساری بھاگ دوڑ صرف دنیا اور اس کے لذائذ اور اس کی آسائشوں ہی کے حصول کے لئے وقف کردی۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ آخرت میں ان کے لئے کچھ نہیں۔ قیامت کے دن ان کی سعی و جہد کا کوئی وزن نہ ہوگا، میزانِ ربانی میں ان کی ساری جد و جہد پر کاہ کے برابر بھی وزن نہ رکھے گی۔

سورۃ کہف کے بعد قرآن مجید میں سورہ مریم وارد ہوئی۔ اس سورۃ مبارکہ میں انبیاء کرامؑ کا ذکر ہے۔ اس اعتبار سے نہیں کہ جس اعتبار سے اس سے پہلے کی مکی سورتوں میں ہوتا رہا ہے یعنی رسولوں کے انکار پر قوموں کی ہلاکت کا معاملہ اس سورۃ مبارکہ میں اس طرح کا ذکر نہیں ہے۔ اس میں سب سے پہلے حضرت ذکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کا بیان ہے۔ پھر حضرت مریم سلامُ علیہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اور اس ضمن میں بڑی شدّت کے ساتھ نفی کی گئی ہے الوہیتِ حضرت مسیح علیہ السلام کے عقیدے کی۔ چنانچہ ان کا قول نقل ہوا۔

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۔ ہ

"میں اللہ کا بندہ ہوں ۔ اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے ۔ یعنی انجیل اور مجھے اپنا نبی بنایا ہے"

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السّلام ابوالانبیاء امام الناس خلیل اللہ کا ذکر ہے ۔ اور انہوں نے اپنے والد کو جس لجاجت کے ساتھ، جس عاجزی کے ساتھ، جس انکساری کے ساتھ اور جتنے پرسوز اور جتنے پُردرد لہجے میں خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دی اس کا بڑے ہی دلنشیں پیرائے میں ذکر ہوا ۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر ہے ۔ اس کے بعد ایک مضمون بڑا اہم آیا ہے ۔ نبی اکرمؐ کو قرآن مجید سے جو عشق تھا ۔ وہ معلوم ہے ۔ حضرت جبرائیل علیہ السّلام سے حضورؐ نے شکوہ کیا کہ آپ وقفے وقفے سے آتے ہیں ۔ ہمارا شوق اور ہمارا اشتیاق اس دوران میں بڑھتا چلا جاتا ہے ۔ آپ جلد جلد جلدی وحی لایا کریں ۔ حضرت جبرائیلؑ کا جواب اس سورۃ میں نقل ہوا ۔ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ ۚ اے نبی ہم آپ کے ربّ کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہو سکتے ۔

لَہٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا ہ

ہمارے سامنے جو کچھ ہے اس کا اختیار بھی اسی کو ہے ۔ ہمارے پیچھے جو کچھ ہے، اس کا اختیار بھی اسی کو ہے ۔ اور ان دونوں کے مابین جو کچھ ہے اس کا اختیار بھی اسی کو ہے ۔ اور آپ کا ربّ بھولنے والا نہیں ہے ۔

یعنی اگر وحی قرآنی میں وقفہ نہیں رہا ہے تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ یہ کسی نسیان کی بنیاد پر نہیں ہے ۔ بلکہ اس میں حکمتِ خداوندی کارفرما ہے اس سورۂ مبارکہ کے آخر میں ایک اور عظیم آیت وارد ہوئی ۔ وَکُلُّھُمْ اٰتِیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَرْدًا ۔

قیامت کے دن ہر ہر انسان کو اللہ کی عدالت میں انفرادی حیثیت میں پیش

ہونا ہوگا۔ کوئی اور اس کی طرف سے جواب دہی نہ کر پائے گا۔ ہر اک کو اپنا محاسبہ خود FACE کرنا ہوگا۔

اس کے بعد سورۃ طٰہٰ ہے۔ یہ سورۃ مبارکہ سورۃ یوسف سے کچھ مشابہ ہے۔ اس اعتبار سے کہ اس کی ۱۳۵ آیات میں سے ۹۹ آیات میں ایک ہی رسول کا ذکر ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات کا۔ اور اس سورۃ مبارکہ میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کے دوران، ایک بڑی عجیب بات ارشاد ہوئی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر طلب فرمایا گیا، تو آپ اپنے شوق اور اشتیاق کے باعث وقفہ معینہ سے قبل پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سوال فرمایا: وَمَا اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۔ "اے موسیٰ تم یہ پہلے کیسے آگئے" حضرت موسیٰ نے جواب دیا: عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۔ میں اس لئے جلدی آیا کہ تو راضی ہو جائے۔ لیکن جواب میں ارشاد ہوا۔

فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ ۔

تمہاری اس جلدی کا ایک نتیجہ نکل چکا ہے۔ اور تمہاری قوم گمراہی میں مبتلا ہو گئی ہے۔

اس کے بعد حضور کو بھی ایک بڑے لطیف پیرائے میں یہ تلقین فرمائی گئی۔ کہ اگرچہ قرآن مجید سے عشق اپنی جگہ انتہائی مبارک و مسعود لیکن اس کے معاملے میں آپ بھی جلدی نہ کیجئے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۔

اور اے نبی جلدی نہ کیجئے قرآن کے لئے اس سے پہلے کہ حکمت الٰہی میں اس کی تنزیل کے لئے جو تدریج معین ہے۔ اس کے مطابق اس کی وحی مکمل ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ عجلت اور جلد بازی خواہ خیر کے لئے ہو اچھی چیز نہیں ہے۔ ہر کام کے لئے ایک تدریج معین ہے۔ اور اس تدریج ہی کے تحت ہر کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ (جاری ہے)

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ: (الحدیث)
تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔

# ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروس قرآن اور خطابات پر مشتمل

## نشر القرآن کیسٹ سیریز

| نمبر شمار | موضوع | کوڈ نمبر | قیمت روپے |
|---|---|---|---|
| ۱ | سیرت النبیؐ ۱۰ تقاریر کا سیٹ (۹۰-سی کے گیارہ کیسٹ) | ۱۱-۱۰ | ۳۳۰/- |
| ۲ | نظریۂ ارتقاء اور قرآن حکیم (۹۰ سی) | ۱۲ | ۳۰/- |
| ۳ | حقیقت انسان اور حقیقت روح انسانی (۶۰-سی دو کیسٹ) | ۱۴-۱۳ | ۵۰/- |
| ۴ | ٹیکی کا حقیقی تصور (۹۰ سی) | ۱۵ | ۳۰/- |
| ۵ | عظمت قرآن حکیم (۹۰ سی) | ۱۶ | ۳۰/- |
| ۶ | تاریخ امت مسلمہ (بموقع یوم اقبال) (۶۰-سی) | ۱۷ | ۲۵/- |
| ۷ | قرآن کا تصور حیات انسانی (۶۰-سی) | ۱۸ | ۲۵/- |
| ۸ | تنظیم کی اہمیت اسوۂ محمدی کی روشنی میں (۶۰-سی) | ۱۹ | ۲۵/- |
| ۹ | پردہ کے احکام (سورۂ احزاب کی روشنی میں (۹۰-سی) | ۲۰ | ۳۰/- |
| ۱۰ | اسلام کا معاشی نظام (۶۰-سی دو کیسٹ) | ۲۲-۲۱ | ۵۰/- |
| ۱۱ | سیرت مطہرہ کا پیغام (۱۲ ربیع الاول) (۶۰-سی، ۹۰-سی) | ۲۴-۲۳ | ۵۵/- |
| ۱۲ | تفسیر آیۂ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۶۰-سی) | ۲۵ | ۲۵/- |
| ۱۳ | سورۃ الفاتحہ (۶۰-سی دو کیسٹ) | ۲۷-۲۶ | ۵۰/- |

| نمبر شمار | موضوع | کوڈ نمبر | قیمت روپے |
|---|---|---|---|
| ١٤ | درس سورۃ بقرہ (پہلے دو رکوع) (٦٠-سی چار کیسٹ) | ٢٨-٣١ | ١٠٠/- |
| ١٥ | خلافت راشدہ کی شرعی اور تاریخی حیثیت ٦٠/٩٠ سی دو کیسٹ | ٣٢-٣٣ | ٥٥/- |
| ١٦ | درس سورۃ الحج (آخری رکوع) ٩٠ سی دو کیسٹ | ٣٤-٣٥ | ٦٠/- |
| ١٧ | درس سورۃ بقرہ (دوسرا، تیسرا رکوع) ٦٠-سی چار کیسٹ | ٣٦-٣٩ | ١٠٠/- |
| ١٨ | شہادت حسینؓ کا اصل پس منظر (٦٠-سی دو کیسٹ) | ٤٠-٤١ | ٥٠/- |
| ١٩ | سورۃ الشوریٰ مکمل مصری قرآت (٩٠-سی سات کیسٹ) | ٤٢-٤٨ | ٢١٠/- |
| ٢٠ | سورۃ الحجرات (مکمل) (٩٠-سی تین کیسٹ) | ٤٩-٥١ | ٩٠/- |
| ٢١ | درس قرآن سورۃ صف والجمعہ (٩٠-سی دو کیسٹ) | ٥٢-٥٣ | ٦٠/- |
| ٢٢ | سیرت نبویؐ کا عملی پہلو (٩٠-سی دو کیسٹ) | ٥٤-٥٥ | ٦٠/- |
| ٢٣ | سورۃ مریم (مکمل) (٩٠-سی پانچ کیسٹ) | ٥٦-٦٠ | ١٥٠/- |
| ٢٤ | سورۃ المنافقون (٩٠-سی دو کیسٹ) | ٦١-٦٢ | ٦٠/- |
| ٢٥ | خطاب بموقع تقریب نکاح مسنونہ (٦٠-سی) | ٦٣ | ٢٥/- |
| ٢٦ | قرآن کا فلسفۂ شہادت (٩٠-سی) | ٦٤ | ٣٠/- |
| ٢٧ | خطاب جمعہ (تاریخ اُمتِ مسلمہ (٦٠-سی) | ٦٥ | ٢٥/- |

نوٹ : قرآن حکیم کا منتخب نصاب زیر ریکارڈنگ ہے • تمام کیسٹ جاپان سے درآمد شدہ استعمال کئے گئے ہیں • کاروباری حضرات مزید تفصیلات کے لئے رجوع فرمائیں • خرچہ ڈاک (رجسٹرڈ پارسل) بذمہ خریدار ہوگا • بذریعہ ڈاک طلب فرمانے والے حضرات آرڈر کے ساتھ کوڈ نمبر کا حوالہ ضرور دیں نیز رقم پیشگی ارسال فرمائیں • بذریعہ وی-پی طلب فرمانے والے حضرات نصف رقم پیشگی ارسال فرمائیں

نشر القرآن، کیسٹ سیریز لاہور ١٤

تنظیم اسلامی ٣٦-کے، ماڈل ٹاؤن لاہور
فون ٨٥٢٦١١ ٨٥٢٦٨٢

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# الحمد للہ

از قلم :- علامہ منظور احسن عباسی (لاہور)

(مندرجہ بالا عنوان سے یہ مقالہ محاضراتِ قرآنی، منعقدہ ۲۳ تا ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء کی افتتاحی نشست میں علامہ موصوف نے پیش فرمایا تھا)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔ اما بعد ۔

بحمد اللہ کہ مملکتِ خداداد پاکستان کی سرزمین حاصل خیز ہے ۔ اس خطۂ ارض میں بہتا ہوا سونا بھی ہے اور منجمد جوہرات کا خزانہ بھی ۔ ماہرین ارضیات کا کہنا ہے کہ کسان کے دست و بازو اور اہل دانش کی فکری قوتوں سے کام لے کر پاکستان میں وہ کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے جو کرۂ ارض کے کسی بھی خطہ میں تصوّر کیا جاتے ۔ اسی طرح مشاہدہ آپ کو بتائے گا کہ کچھ عرصہ پہلے آپ کے چابکدست مالی نے کہیں سے لاکر ایک شاخ جو لگائی تھی وہ آج گلاب کا ایک پودا ہے اور اس کی ٹہنیوں پر مسکراتی ہنستی کلیاں آپ کو مسرّت کا پیغام دے رہی ہیں ۔ آپ اپنے مالی کی اس کارکردگی پر اُس کی تحسین و تعریف میں رطب اللسان ہیں اور اُس کا سر فخر سے بلند ہے ۔

لیکن —— کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شخص تصوّر کر سکتا ہے کہ کاشتکار کی وہ محنت اور باغبانی کی اُس بصیرت کے سوا کوئی اور بھی ہے جو آپ کے لئے زندگی کا رزق اور فراغت کا سامانِ مسرّت فراہم کرنے میں لگا ہوا ہے ۔ حالانکہ وہ اس سے زیادہ واضح طور پر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ۔ اور انسان کی مخفی صلاحیتوں سے کہیں زیادہ شش جہت کائنات میں پھیلا ہوا ہے ۔

اب ذرا ایک خوشۂ گندم یا گلاب کے ایک پھول کو توڑ کر دیکھئے اور ہر دانہ کی ساخت اُس کی غذائیت اور پھول کی نکہت و لطافت او بُوقلمونی رنگ پر نظر ڈالئے کہ کیا اُس کی یہ صلاحیتیں بھی جوتنے بونے والوں کی صلاحیت کار کا نتیجہ ہیں؟

کیا یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ

| | |
|---|---|
| اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ (واقعہ ۶۵) | یعنی تم دیکھ رہے ہو نا کہ جو کچھ تم نے (زمین میں) بویا اُس کے اُگانے والے تم ہو یا ہم اُگانے والے ہیں ؟ |

یقیناً انسان کی تمام کوششیں رائگاں ہیں اگر قدرت کے عطا فرمودہ اسباب نشوونما ساز گار نہ ہوں ۔ اُس کا مہیا کرنے والا کون ہے ؟

| | |
|---|---|
| وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ۔ (انعام ۱۰۰) | وہی ہے جس نے آسمان سے بارش نازل فرمائی (اُس کا کہنا ہے کہ) یہ ہم ہی ہیں جس کی بدولت ہر طرح کی کونپلیں پھوٹیں ۔ پھر اس سے ہری بھری شاخیں نکلیں جن میں ہم ہی گُتھے ہوئے دانے لگاتے ہیں اور کھجور کے گابھے میں لٹکے ہوئے خوشے اور انگور زیتوں کے باغات اور انار ملتے جلتے اور مختلف شکلوں کے ہیں ۔ تو ذرا تم ان لگے ہوئے بہت سے پھلوں اور ان کی پختگی کو تو دیکھو ۔ |

یہ تو وہ نمایاں اشیاء ہیں جنہیں ہر شخص ملاحظہ کرتا ہے ۔ اب ذرا کسی بھی پھول کو شاخ سے توڑ کر پھر گہری نظر سے دیکھئے ۔ ہر پنکھڑی میں حُسن کی ایک کائنات بسی ہوئی نظر آئے گی ۔ میں نے تو اپنے لان میں لگے ہوئے بہت سے پھولوں کو دیکھا اور لطف نظارہ سے بہرہ یاب ہو کر چلا گیا ۔ لیکن جب کسی پھول کو بنظر امعان دیکھا تو اس کی لطافت ۔ رنگت اور نکہت سے مسحور ہو کر رہ گیا ۔ کارگاہ قدرت کی اس لامحدود صناعی کا ادنےٰ سے ادنےٰ نمونہ بھی دانش و بصیرت کی پوری

کائنات پیش نہیں کر سکتی ۔ قرآن حکیم اسی امعانِ نظر کی دعوت سے بھرا پڑا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کی مخصوص صفات کا آئینہ دار ہے ۔

آسمان ۔ زمین چاند سورج اور ستاروں کی تخلیق ۔ اُن کا نظام عمل پہاڑ دریا سمندر ۔ حیوانات ، نباتات و معدنیات ۔ اُن کی افادیت ۔ اربعہ عناصر اُن کے خواص و آلاتِ کار اور اُن کی صلاحیتیں ۔ انسانی حواسِ خمسہ ظاہری و باطنی اجسام کے ابعاد و اخلاطِ ثلاثہ اور جملہ مرئیات و محسوسات اور ایسی تمام اشیاء بھی جو انسان کے حسّی وسائل معلومات کے دائرے سے باہر یا مادّی آنکھوں سے اوجھل ہیں ۔ مثلاً عرش ۔ کرسی ۔ میزان ۔ بہشت و دوزخ ۔ جنّت ۔ نہریں حُور و قصور ۔ نیز اشیاء مابعد الطبعیات میں سے بیشتر کا ذکر اللہ تعالےٰ نے فرمایا اور انفس و آفاق کی ہر شے پر قرآن حکیم نے غور و فکر کا حکم دیا ہے ۔ کیونکہ ربّ العالمین کی مخلوقات میں ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق میں بھی ربوبیتِ خالق کا وہ نظام جو جاری ہے ۔ از رُوئے قرآن حکیم تمام کائنات کی اجتماعی کوششوں سے بھی ممکن نہیں ہے کیا کوئی شخص خیال کر سکتا ہے کہ تمام جہان کے عظیم الشان کارخانے اور سر بفلک تجربہ گاہیں مکڑی کے سفید جال کی مثیل بنا سکتی ہیں یا ایک دانہ گندم یا آم کی گٹھلی میں لاکھوں ایکڑ اراضی کا غلّہ پیدا کرنے یا بے شمار آم کے باغات کی پیداواری صلاحیت رکھی جا سکتی ہے ۔ پھر کیا ممکن ہے کہ دُنیا بھر کی عقل و فراست مچھر جیسے حقیر وجود یا شہد کی مکھی جیسے نازک جسم میں نوکِ سوزن سے زیادہ باریک نلکی کے ذریعے پوستین انسانی سے خون چُوسنے یا پھول کی پتیوں سے جوہر چاشنی کھینچ لینے کی قوت بخش سکتی ہے ۔ یا کوئی کارخانہ کسی جاندار کے جوف میں ایسا نظامِ ہضم و تحلیل قائم کر سکتا ہے کہ ایک ہی غذا سے بیک وقت خُون ، دُودھ اور فضلہ معرضِ وجود میں لایا جا سکے ایسی بے شمار باتیں ہیں کہ اگر ان سب کو ضبطِ تحریر میں لانے کی کوشش کی جائے تو اس کی روشنائی کے لئے بفحوائے قرآن حکیم لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ ۔ سمندروں کے پانی سے سیاہی کا کام لیا جائے ۔ تب بھی سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن ربّ العالمین کی باتیں صفحۂ قرطاس پر نہیں لائی جا سکے گی ۔ قرآن حکیم کی تلاوت کے درمیان بڑی شدّت سے

قلب پر یہ تاثر ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کا کوئی صفحہ بلکہ کوئی آیت ایسی نہیں جو اللہ کے وجود اور اُس کی قدرت کی دلیل اور الحمدللہ کی تفسیر نہ ہو۔

اللہ تعالےٰ کے اس کارگاہِ قدرت میں جو حکمت کارفرما ہے۔ اُس میں واضح ترین حکمتِ تسخیر ہے۔ کہ کوئی مخلوق حکم الٰہی کے بغیر اپنے وظائفِ فطریہ سے تجاوز نہیں کرسکتی۔ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ربّ العزّت نے ہر شے کی تخلیق فرما کر اس کو ایک دستور العمل فطری بھی عطا فرمایا کہ اس راستے سے نہ ہٹے۔ یہی وجہ ہے کہ مثلاً ایک اونٹ اور مچھر دونوں میں نشو ونما کی صلاحیت ہے۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ ایک مچھر بڑھتے بڑھتے اونٹ بن جائے۔ اسی طرح آگ میں جلانے۔ پانی میں بہنے۔ ہوا میں جنبش اور خاک میں پابرجائی بھی حکم الٰہی کے ماتحت ہے۔ اسی کو اللہ تعالےٰ نے تسخیر سے تعبیر فرمایا ہے۔ تسخیر کا وہ مطلب نہیں ہے جو عہد حاضر کے اصحاب علم بیان کرتے ہیں کہ انسان کو تسخیرِ کائنات کا حکم ہے حقیقت یہ ہے کہ روٹی پکانے والی ماما سے لے کر جوہری توانائی کی عظیم الشان تجربہ گاہوں تک میں جو لوگ کام کر رہے ہیں وہ سب تسخیرِ کائنات میں فطری طور پر مصروف ہیں کیا ہم یہ نہیں دیکھتے کہ اگر مثلاً آگ میں ہدایت ربّ العالمین کے بموجب جلانے کی فطری خاصیت نہ ہوتی اور وہ اپنی مرضی سے ہوا کی طرح اُڑنے یا پانی کے طرح بہنے لگتی۔ یا جوہری توانائی متضاعف ہونے پر مجبور نہ ہوتی تو آخر یہ روٹی کیسے پک سکتی۔ اور یہ جہان تسخیری کیونکر ممکن تھی۔ چنانچہ آیتِ قرآن حکیم وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کا یہی مطلب ہے۔ کہ آسمان وزمین کی تمام اشیاء میں ہم نے جو فطری صلاحیتوں کی پابندی رکھی ہے۔ وہ اس لئے ہے کہ تم اس سے مستفیض ہوسکو۔ ظاہر ہے کہ انسان اس سے کام تو لے سکتا ہے لیکن یہ مقصدِ حیات نہیں ہے۔ سورہ ابراہیم کے رکوع ۵ میں اللہ تعالےٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور نزول باران رحمت اور پیداوار کو انسان کے حصولِ رزق کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ نیز کشتی کی روانی اور نہروں کے بہاؤ میں قدرت الٰہی کی کارفرمائی یا تسخیر کا بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے سورج اور چاند کو ایک مقررہ دستور کے مطابق چلایا اور رات دن جو ہم نے بنائے وہ سب تمہارے لئے ہے۔ یعنی ان تمام اشیاء کی تسخیر جو ہم نے کر رکھی ہے

وہ تمہارے حصولِ مقاصد کے لئے ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

| | |
|---|---|
| اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ | یعنی اللہ وہ ہے جس نے زمین کو |
| فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ | تمہارا فرش اور آسمان کو چھت |
| اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً | بنایا۔ یعنی زمین پر رہتے ہو اور |
| فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ | آسمان کے نیچے بسیرا کرتے ہو) اور |
| رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا | اُسی نے آسمان سے پانی اتارا اور |
| لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ | زمین سے تمہارے لئے رزق اُگایا۔ |
| تَعْلَمُوْنَ ۝ | تو ان باتوں کو جانتے ہوئے اللہ |
| (البقرۃ ۲۲) | کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔ |

مقصد یہ ہے کہ بقولِ اقبال

جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

اور یہی ایقان و ایمان راہنما ہے سورۃ فاتحہ کے ابتدائی الفاظ

## اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

کا یعنی تمام نعمائے الٰہیہ کی تحمید و تحسین کا مستحق اللہ ہے۔ اور چونکہ ان نعمتوں کا کوئی شمار نہیں، اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم ع ۵) کہ اگر چاہو کہ سب کو دائرہ بیان میں لاسکو تو ممکن نہ ہوگا لہٰذا ان کا احصا بھی محال ہے سعدی نے کتاب گلستان کا آغاز حمدِ الٰہی سے کیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ "سانس اندر گیا تو زندگی آئی اور باہر نکلا تو فرحت بخش ہوا۔ پس ہر سانس میں دو نعمتیں ہیں۔ اور ہر نعمت مستوجبِ شکر ہے" لہٰذا ؎

از دست و زبان کہ برآید ؟
کز عہدۂ شکرش بدر آید

اب چونکہ اللہ تعالےٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ ان سب کی حمد اور ان کا شکر محال ہے۔ اور اللہ امرِ محال کا حکم نہیں دیتا۔ اس لئے قرآن حکیم نے انسان کے ہر قول و فعل کے لئے ایک دستور العمل۔ دائرہ کار یا نظامِ حیات مقرر فرمایا یہی اُسکی نعمتوں کا شکر ہے اور اس دائرے سے باہر نہ نکلنے ہی کو عبادت قرار دیا ہے جس

کی بنا "حمد" ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ٥ (پ ۲۷ ع ۲) یعنی ہم نے (مخلوق غیر مرئی یعنی) جن اور (مخلوق مرئی یعنی) انسان کو عبادت کے سوا اور کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا۔

پس عبادت نام ہے ہر عمل حیات میں اللہ کے مقرر فرمودہ دائرہ عمل کے اندر رہنے اور حدود اللہ سے تجاوز نہ کرنے کا۔ اور یہی ایمان و عملِ صالح کی بنیاد ہے۔ قرآن حکیم نے اسی کو فلاحِ دین و دُنیا کی بنیاد قرار دیا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی بلاشبہ انسانی زندگی میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ تاآنکہ ایمان لائے اور عملِ صالح پر عمل پیرا ہو۔

اور اس کا شاہد "العصر" ہے یعنی زمانہ یا عرصہ حیات

مثال عمر سر بریدہ شمع ست  که کوته بازمی باشد دمادم
و یا برف گه ازاں بر سرِ کوه  کند هر لحظه جزوے مے شود کم

یعنی وہ شخص جو اپنے دورانِ حیات میں ایمان و عملِ صالح کو نظر انداز کر دیتا ہے ایسے اشخاص کو قرآن نے خود اپنا دشمن قرار دیا ہے۔ ایسے ہی اشخاص ہیں جن کی بابت قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ اُن کے چشم و گوش تو ہیں لیکن نہ دیکھتے ہیں نہ سُنتے ہیں۔ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا (اعراف)

نہ چشم بینا نہ گوشِ شنوا

یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ انسان کائنات کے ذرّے ذرّے میں رب العالمین کی کار فرمائی دیکھے لیکن اللہ تعالےٰ کے سوا دوسروں کو کارساز جانے۔ اور یہ کیسی ناشکرگزاری ہے کہ انسان اللہ کی عطا فرمودہ ہر نعمت سے بہرہ ور ہو اور اس کا شکر نہ بجالائے۔ ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

همہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری (سعدی)

یعنی اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا اعتراف ہی اُس کی طاعت و فرمانبرداری ہے۔ اُس کا ارشاد ہے۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ — یعنی نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور سجدہ کرو تو اللہ کو جس نے انہیں پیدا کیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی پیغمبرانہ بصیرت ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ان کو دیکھا اور لا احب الآفلین اور انی وجہت وجہی للذی فطر السمٰوٰت و الارض کا عزم کیا کہ میں ان فنا پذیر اشیاء میں سے کسی کو پسند نہیں کروں گا۔ میں تو ان کے پیدا کرنے والے کی طرف رُخ کروں گا۔ اور یہ تو ہر عقل رکھنے والا انسان سمجھ سکتا ہے کہ خالق کو چھوڑ کر مخلوق کے آگے یا ایسی اشیاء کے آگے جنہیں اللہ نے انسانی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے خود اپنے خدام کے آگے سجدہ ریز ہو جانا کیسی غلطی اور کتنی ذلت آمیز حرکت ہے۔ اس کے برعکس وہ راستہ کتنا صحیح۔ ہموار اور منزلِ مقصود سے قریب تر ہے جو خود اللہ نے اپنے بندوں کے لئے متعین فرمایا۔ اس کا نام "حمد" ہے اور اس کا لازمی نتیجہ توحیدِ الٰہی یعنی اللہ کے سوا کسی کو بھی حقیقی معنوں میں قابلِ حمد و ستائش اور کارساز تصوّر نہ کرنا ہے تاکہ عزّتِ نفس کو محفوظ رکھا جا سکے۔

ترجمانِ حقیقت اقبال کے تمام پیغام کا نچوڑ خودی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے کسی قول و فعل سے شرفِ انسانیت کو مجروح نہ کرے اور اللہ کے تصوّر سے غافل نہ ہو۔ اُس کے نزدیک درسِ خودی کے معنے درسِ توحید کے ہیں اس کے علاوہ اس کا مطلب اگر محض دنیوی فلاح و بہبود۔ مادّی ترقیات۔ صلاحیت کار۔ ایجاد و اختراع یا حکومت و اقتدار لیا جائے تو اُس مردِ مؤمن پر بہت بڑا ظلم ہوگا۔ جس نے نہایت وضاحت سے بتا دیا ہے کہ ؎

خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ

خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ الا اللہ

قرآن حکیم میں مَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ کے معنی بھی یہی ہیں کہ انسان طاغوت (گمراہ کرنے والی ہر شے) کا کافر ہو اور اللہ کا مومن ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک خدا پرست طبقہ جسے 'صوفی' کہا جاتا ہے۔ جب کبھی کسی خوشنما منظر، حسین شکل۔ خوشنما پھول اور خداداد ذہن و فراستِ انسانی کی صنعت کاری یا مال وجاہ و اولاد و فراغت وصحت وقوت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو بے اختیار اُن کی زبان پر سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کا لفظ جاری ہو جاتا ہے یعنی یہ سب کچھ اللہ کی پاک ذات کی بدولت ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر قل الحمد للہ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ یعنی یہ کہو کہ ہر گونہ ستائشوں کا سزاوار اللہ کی ذات ہے، اور اسی لئے قرآن حکیم کی سب سے پہلی آیت الحمد للہ میں بصورت خبر جو مستلزم امر ہے حمدِ باری تعالےٰ کا حکم ہے۔ ساتھ ہی اس کی توثیق الفاظ "ربّ العٰلمین" سے ہوتی ہے کہ جب تمام جہانوں کا پروردگار اللہ اور تمام خوبیوں کا مرکز بھی وہی ہے۔ جس سے مشرکین عرب بھی انکار نہیں کر سکتے تھے۔

| | |
|---|---|
| وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ | یعنی اگر آپ ان مشرکین سے پوچھیں |
| السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ | کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا |
| اللّٰهُ، قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ | کیا تو یقیناً وہ کہیں گے کہ اللہ نے۔ |

تو ان سے کہہ دیجئے کہ تمام ستائش بھی اللہ کے لئے ہیں۔

چنانچہ خود آسمان و زمین کے باب میں ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ | یعنی اللہ کی پاکیزگی سب بیان کرتے |
| وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ | ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور |
| مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ | جو بھی ان میں ہیں۔ اور کوئی شے |
| وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ | ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے |
| (پ ۱۵ ع ۵) | ساتھ اُس کی پاکیزگی نہ بیان کرتی |

ہو۔ لیکن اُن کی تسبیح حمد و ثنا کو تم نہیں پہچانتے۔

اس سے عیاں ہے کہ ربّ العالمین کی جملہ مخلوقات کی حمد و ثنا کے طریقے مختلف ہیں

جس کا سمجھنا انسان کی فہم سے بالاتر ہے۔ پھر وہ کونسا طریق حمد و ثنا ہے جو انسان کیلئے متعیّن ہے۔ اللہ تعالےٰ نے بعثتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مدعا کو قریب الفہم اور ممکن العمل بنا دیا۔

حمد کی دو صورتیں ہیں۔ ایک کا تعلق قول سے ہے اور دوسری صورت کا فعل سے سعدی نے اُس کے لئے دست و زبان کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اہل علم و خبر نے اُس کے ضابطۂ کار یا دستور العمل کو عبادات۔ معاملات اور تعزیرات کے تین ابواب میں تقسیم فرمایا۔ اور ہر عمل کو دستورِ حیات قرار دیا ہے۔ قرآن حکیم کی سُورۃ الناس میں انسان کے جملہ معاشی۔ سیاسی اور اخلاقی مسائل کا حل صرف ایک بتایا ہے کہ اللہ کی پناہ میں آجاؤ۔ یعنی وہی مقام اختیار کرو جو اللہ نے انسانیت کی بقا کے لئے متعیّن فرمایا ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی بنیادی ضرورت یعنی روٹی کپڑے کے مسائل کو ربّ الناس (پروردگار) کے بتائے ہوئے طریقے سے حل کرے۔ کیونکہ سامانِ پرورش کے لئے پروردگار کے سوا اور کون ہے جس کا سہارا لیا جائے سیاسی مسئلے کا حل اس میں ہے کہ وہ مَلِكِ النَّاسِ (مالک برحق) کے سوا اور کسی کو اقتدارِ اعلیٰ کا مستحق نہ جانے۔ کیونکہ طوائف الملوکی دُنیائے سیاست کا بدترین جرم ہے۔ پس لازم ہے کہ صرف اُس کو مقتدرِ اعلیٰ یا فرماں روائے مطلق تصوّر کرے۔ یعنی کسی ایسے قانون کو تسلیم نہ کرے جس میں استحصال بے جا۔ ربا۔ جبر و استبداد۔ ظلم و ستم۔ بدکاری مے خواری۔ قمار بازی۔ ذخیرہ اندوزی۔ بے ایمانی۔ عصمت دری۔ کشت و خون وغیرہ انسانی اور اخلاقی جرائم کی ترغیب ہوتی ہو۔ اس طرح اخلاقی مسائل کا حل اِلٰهِ النَّاسِ (معبود مطلق) کی پناہ حاصل کر لینے میں مضمر ہے۔ کہ انسان اللہ کے سوا کسی کو نہ معبود تصوّر کرے اور نہ کارساز جانے۔ یعنی کبھی یہ خیال نہ کرے کہ خدا کو چھوڑ کر قبروں کے آگے سجدہ گزار ہونے میں مقصد براری ہے یا چاند۔ سُورج۔ ستاروں آگ۔ درخت۔ بندر یا کسی انسان کی پرستش میں نجات ہے۔ ان تمام امور کے عملی اور ذہنی مظاہرہ کا نام اسلام ہے۔ اور یہی وہ حمد و ثنا ہے جو مجموعۂ قوانین الٰہی کے پہلے لفظ الحمدللہ

کا مفہوم ہے۔

## احمد صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالےٰ کے نزدیک یہی مکمل نظامِ حیات ہے جس کو انسانی زندگی کیلئے معراج قرار دیا جاسکتا ہے۔

| | |
|---|---|
| لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ | یعنی تم لوگوں (یا ابنائے نوع |
| أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ | انسانی) کے لئے رسول اللہ صلی |
| يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ | اللہ علیہ وسلم کا طریق زندگی |
| وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا۔ | ایک نمونہ ہے بشرطیکہ تم یوم آخرت |

کی بہبود چاہتے ہو پس لازم ہے کہ اللہ کی یاد میں کثرت کے ساتھ لگے رہو۔

اور یہی تصورِ الحمدللہ کی تکمیل ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر گوشہ حمدِ الٰہی سے پُر ہے۔ سونا۔ جاگنا۔ ہنسنا۔ بولنا۔ کھانا۔ پینا۔ چلنا پھرنا۔ نماز۔ روزہ۔ بات چیت۔ کاروبار۔ نشست و برخاست۔ جہاد۔ حکومت و فرماں روائی۔ عبادت و شب بیداری۔ خلق و احسان۔ مروّت و سخاوت شجاعت و ہمت۔ پند و نصیحت۔ معرفت و حکمت۔ تعلیم و تربیت۔ لباس و خوراک۔ قید و بند۔ اختیار و اقتدار۔ محنت و ریاضت، امانت و صداقت۔ مشکلات فقر و احتیاج۔ صبر و قناعت۔ تدبّر و سیاست۔ رشد و ہدایت۔ رأفت و رحمت۔ طہارت و نظافت۔ عدل و انصاف اور بالآخر رحمت و شفاعت۔ غرضیکہ امورِ حیات و مابعد الحیات میں سے کوئی امر ایسا نہیں جس کی بجاآوری میں توحید و تمجید و تحمید و تسبیح باری تعالےٰ کو نظر انداز کیا گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے پانچ سو سال پہلے بعثتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی تو فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ | میرے بعد جو پیغمبر آنے والے ہیں |
| أَحْمَدُ (صف) | اُن کا نام احمد ہوگا۔ یعنی سب سے |
| | زیادہ حمد کرنے والے۔ |

گویا الحمدللہ جو تمام احکاماتِ قرآنی کی بنا و یا روح ہے اُس پر سب سے زیادہ عمل پیرا ہونے والی ہستی ذاتِ بابرکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوگی ۔ چنانچہ ولادت باسعادت کے بعد بہ الہام الہٰی اُن کا نام ہی " احمد " رکھا گیا ۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے حیاتِ انسانی کے ہر شعبہ میں خواہ اُس کا تعلق تہذیب نفس سے ہو یا تدبیر منزل سے یا سیاستِ مُدن سے کہ علمائے اخلاق کے نزدیک انسانیت یا مدنیت کے یہی تین ابواب ہیں ۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس کا دُوسرا نام قرآن حکیم ہے سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا فرمانا ہے کہ سِیْرَتُہُ الْقُرْآن ۔ یعنی قرآن میں جو کچھ بھی ہے بس وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار ہے ۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے ۔

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (حشر رکوع ۱)

یعنی رسولؐ نے جس بات کا حکم دیا اس کو اختیار کرو اور جس بات سے منع فرمایا اُس سے باز رہو ۔

اس کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی کہتے ہیں جو اللہ فرماتا ہے :

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم ۳)

یعنی وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے وہی کہتے ہیں جو بذریعہ وحی انہیں بتایا جاتا ہے ۔

انسانی معاشرے میں اس کی مثال حکومت یا سربراہِ مملکت کے اُن کارندوں کی سی ہے جو قانون یا حاکم کے حکم کی تعمیل کرانے پر مامور ہوں ۔ ایک ادنیٰ درجہ کا چپڑاسی بھی جب سمن کی تعمیل کرانے کے لئے کسی کے پاس آتا ہے تو خواہ وہ شخص کتنا ہی ذی وقار ہو اُس کی تعمیل سے انکار کرنے پر مجرم اور مستوجب سزا قرار پاتا ہے ۔ بس احکم الحاکمین کے اُس پیغام سے جو انبیاء کی معرفت تعمیل ارشاد کے لئے بھیجا جاتا ہے سرتابی کرنے والا کتنا بڑا مجرم ہوگا ادھر پیغمبر کو حکم ہے ۔

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا

اے رسُول تم پر تمہارے پروردگ

| | |
|---|---|
| أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ | کی طرف سے جو وحی نازل ہوئی |
| وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا | وہ سب کو بتا دو۔ ایسا نہ کیا تو |
| بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ | گویا خدا کی رسالت کا فرض |
| (مائدہ ع ۱۰) | ادا نہ کیا۔ |

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اور اُن کی امت دونوں کے لئے قولاً فعلاً فرضِ الٰہی کی بجا آوری ہی حقیقی معنوں میں اللہ کی پاکیزگی اور برتری کا اظہار ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل ارشاداتِ الٰہی کے مطابق ہے تو یہی اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا ہے اور وہ مقدس ہستی جس کے ہر قول و فعل سے حمد الٰہی کا مظاہرہ ہوتا ہو تو اس سے بڑھ کر حمد کرنے والا (احمد) کون ہو سکتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے یہی حکم دیا ہے۔

| | |
|---|---|
| سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى | یعنی اے پیغمبر اللہ تعالےٰ کی |
| الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى | پاکیزگی بیان کرو جس نے تمہیں |
| (سورہ الاعلیٰ پ ۳۰) | پیدا کیا اور خوب بنایا۔ |

ادائے شکر کا یہی حکم سورۃ کوثر میں ہے۔

| | |
|---|---|
| إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ | یعنی اے پیغمبر ہم نے تم کو بہت کچھ |
| لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ | عطا کیا تو اپنے پروردگار کی نماز |
| (پارہ عمّ) | پڑھو اور قربانی دو۔ |

نیز

| | |
|---|---|
| فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ | یعنی اپنے پروردگار کی حمد کے |
| | ساتھ تسبیح کرو اور اس سے |
| | مغفرت مانگو۔ |

تسبیح کے معنی نماز کے بھی ہیں اور قربانی کے بھی چنانچہ نماز بھی حمد ہے اور قربانی بھی۔ خدائے پاک کی پاکیزگی (حمد) کے اظہار کا طریقہ اُس کی طاعت و عبادت کے سوا نہیں اور دل میں اُس کے مستوجب طاعت و اطاعت ہونے کا یقین ہو تو وہی ایمان ہے۔

| | |
|---|---|
| فَسُبْحَانَ اللّٰہِ حِیْنَ | یعنی لازم ہے کہ تم صبح و مسا |
| تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ | اللہ کی پاکی (یعنی اس کے معبود |
| وَلَہُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ | ہونے کا ذکر کرتے رہو تمام |
| وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَّحِیْنَ | آسمانوں اور زمینوں میں اُسی کی |
| تُظْہِرُوْنَ ۝ (روم ع ۲) | ذات مستوجب حمد ہے۔ |

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر لمحہ خواب ہو یا بیداری، حمد باری تعالےٰ میں بسر ہوا۔ لہٰذا حقیقی معنوں میں وہی اَحْمَدُ یعنی سب سے زیادہ حمد الٰہی بجالانے والے ہیں۔

## محمد صلے اللہ علیہ وسلم

واضح ہو کہ اللہ تعالےٰ کی حمد سب سے زیادہ بجالانے والا ہی سب سے زیادہ مستوجب ستائش بھی ہے یہی وجہ ہے کہ سب بڑے آقا کے سب سے بڑے غلام کا نام "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب ہے اللہ تعالےٰ کے نزدیک ہر امر مستحسن کی جزا اُس عمل سے چند در چند زیادہ ہے۔ قرآن حکیم میں بھی۔ ع احمدؐ ہے ایک بار محمدؐ ہے چار بار

کہا جاتا ہے کہ سعدی کی یہ رباعی

| | |
|---|---|
| بلغ العلےٰ بکمالہٖ | کشف الدجیٰ بجمالہٖ |
| حسنت جمیع خصالہٖ | صلّوا علیہ وآلہٖ |

جو قولاً مدح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔ اُن کے لئے بشارت نجات کا موجب بن گئی۔ اور عجب نہیں کہ غالب کا یہ شعر بھی اُن کی امرزش کا سبب ہو جائے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی "احمدیت" کا سب سے بڑا صلہ جو عطا فرمایا وہ ان کی صفت رحمۃ للعالمینی ہے۔

| | |
|---|---|
| وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً | یعنی اے پیغمبر بالیقین ہم نے آپکو |

لِلْعَالَمِيْنَ ۔ سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ۔
(انبیاء ع ۔ ۷)

اور ان کی صفات و کردار میں جہاں اُن کے رکوع و سجود اور فضل و رضائے الٰہی کی لگن کا ذکر فرمایا ہے اُن کی اور ان کے رفقائے کار کی یہ خصوصیت بتائی ہے ۔ کہ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (۲۶/۱۲)

محمدؐ اور وہ اصحاب جو ان کے ساتھ ہیں ۔ خدا کے نافرمانوں کے حق میں نہایت سخت ہیں اور باہم ایک دوسرے پر مہربان ہیں ۔

پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اس صفت خاص کے ساتھ ہی یہ بھی سوچنا ہوگا کہ وہ شخص کتنا بدبخت ہوگا جو اس ارشاد کے علی الرغم کافروں کا دوست اور مسلمانوں کا دشمن ہو جائے پھر اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو اپنے بندوں پر احسان سے تعبیر فرمایا ہے ۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ ۔
(آل عمران ع ۱۷)

یعنی یقیناً اللہ کا مسلمانوں پر بڑا کرم ہے کہ اُس نے نوع انسانی ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اللہ تعالےٰ کی نشانیاں پڑھ کر انہیں سناتا ہے اور انہیں برائیوں سے پاک بناتا اور قرآن حکیم کی تعلیم دیتا اور اس پر عمل کا طریقہ بتاتا ہے ۔

نیز اُس نے حکم دیا کہ

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ

اے پیغمبر آپ اعلان کر دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو ۔ تو میری راہ پر چلو (اس کا نتیجہ یہ نہ ہوگا کہ یہ اللہ سے تمہاری محبت کا ثبوت ہوگا بلکہ ) خود اللہ

تم پر مہربان ہوگا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ (آل عمران)
غرض اللہ تعالےٰ کی حمد ہی نے ذاتِ اقدس کو احمدیت سے محمدیت کے مقام پر پہنچایا اور آج یہ عالم ہے کہ تمام کائنات مجبور ہے کہ انہیں شرفِ انسانیت کے اُس معراج پر تسلیم کرے جہاں انس و جن کا کوئی فرد نہیں پہنچ سکا ہے

بسکہ ہیں وہ محمد و احمدؐ حمد کے پیکرِ مجسم ہیں

ضد۔ ہٹ یا بد بختی کا کوئی علاج نہیں لیکن حقیقتِ نفس الامری یہ ہے کہ چار دانگ عالم میں نہ تو اسلام کے سوا کوئی دین ہے نہ پیغمبر اسلام کے سوا کسی کی پیغمبری ہے۔ نہ قرآن کے سوا کوئی قانون ہے اور نہ اللہ کے سوا کوئی معبود۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط

ہاں اگر کوئی شخص لادینی کو دین۔ متبنّیٰ کو نبی۔ احادیثِ نفس کو کتاب اللہ اور گاؤ خر یا شجر و حجر کو معبود بنالے تو اسے اختیار ہے۔ لیکن یہ بہر حال خالقِ کائنات سے دشمنی ہے دوستی نہیں اُس کی توہین ہے حمد و ثنا نہیں ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

یعنی اللہ کے نزدیک دین (یا مذہب) صرف اسلام ہے۔ اور وہ اس لئے آیا ہے۔

لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ

کہ وہ تمام ادیان پر چھا جائے۔ چنانچہ اللہ کی ذات و صفات کا چرچا (یا حمدِ الٰہی) صرف دین اسلام کا خاصہ ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کائنات میں پھیلتا جا رہا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچانے کا وعدہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (۱۵/۹۴) یعنی جلد ہی آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود پر پہنچا دے گا (روزِ قیامت میں بھی حضور کی قیام گاہ مقام محمود ہوگی اور جو جھنڈا سیّد البشرؐ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس کا نام لِوَاءُ الْحَمْدِ ہوگا اور ہر وہ شخص جو اس کے سائے میں ہوگا۔ وہی نجات کا مستحق قرار پائے گا۔ اللہ تعالےٰ نے اللہ کے نجات یافتہ بندوں کی صفات میں انکی صفت حَامِدُوْن، بھی بیان فرمائی ہے یعنی اللہ کی حمد کرنیوالے

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

# اِسلام
# اور
# حقوق اطفال

از قلم :- غازی عزیر (علی گڑھ) حال مقیم سعودی عرب

چھٹی قسط

**بچّوں کو تعلیمی سہولت بہم پہنچانا :-** بچوں کو ذہنی و شعوری تعلیم دینا بھی اُن کے سلسلے

## ایک ضروری گذارش

پچھلے چند ماہ سے ہمیں کچھ حضرات کی طرف سے 'میثاق' کے نہ ملنے کی شکایات موصول ہوئی تھیں - اس میں جہاں محکمۂ ڈاک کی بدنظمی کو دخل تھا وہاں کچھ کوتاہی ہمارے دفتر کی طرف سے بھی تھی -

ہم نے دفتر کے انتظامات کے سلسلہ میں ضروری تبدیلیاں کی ہیں اور ہمیں اُمید ہے کہ ان شاءاللہ آئندہ ہمارے کسی کرم فرما کو شکایت کا موقعہ نہیں ملے گا۔

ہم نے خریداروں کے رجسٹر بھی نئے سرے سے ترتیب دئے ہیں - اگر اب بھی کسی کو پرچہ موصول نہ ہو تو ہمیں فوری طور پر مطلع کیا جائے تاکہ ہم نئے رجسٹر کے اندراجات کو چیک کر سکیں -

ایک مزید گذارش یہ ہے کہ اس ماہ سے ہم نے خریداری نمبر بھی تبدیل کر دیئے ہیں - آپ کا خریداری نمبر لفافہ کے اوپر درج ہے - براہ کرم آپ اسے نوٹ فرمالیں اور آئندہ خط و کتابت کرتے وقت اس کا حوالہ دینا نہ بھولئے - ناظم ادارہ

حقوق اور واجبات تربیت میں شامل ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے مشرک اسیر کو دس مسلمان بچوں کی تعلیم (قرأت و کتابت سکھانے) کے بدل آزاد فرمایا" (امتاع الاسماع للمقریزی) تعلیم کی فرضیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے ارشادات منقول ہیں مثلاً آپ نے فرمایا: طلب العلم فریضة علی کل مسلم (رواہ مسلم) یعنی علم کا حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے"

یہ فریضہ صرف مسلمان مردوں پر ہی نہیں بلکہ مسلمان عورتوں[1] پر بھی یکساں عائد ہوتا ہے۔ اس امر کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ :۔ طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة (حدیث) یعنی علم کا طلب

---

[1] لڑکوں کی طرح لڑکیوں کو تعلیم دلانا اور اُن کی ذہنی و شعوری صلاحیتوں کو اجاگر کرنا والدین کا فرض ہے۔ جو لوگ تعلیم نسواں کی مخالفت کرتے ہیں وہ محض ایک غلط نظریہ اور جاہلانہ تعصب کی بنا پر ہی ایسا کرتے ہیں۔ ہاں مخلوط تعلیمی درسگاہوں یا جہاں شرعی احکام کی پابندی نہ کی جاتی ہو یا ایسی درسگاہیں جہاں سے معاشرہ میں بُرائی پھیلنے کا خدشہ ہو اور ایسی تربیت گاہیں جہاں علم فضول کی ہی تعلیم دیجاتی ہو، ایسی جگہوں پر مسلمان لڑکیوں کو بھیجنا قطعاً ناجائز اور معاشرہ انسانی کے لئے ایک زبردست خطرہ ہے۔ اگر ہم قدیم تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں تعلیم نسواں کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں مثال کے طور پر البلاذری نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے سیدہ شفاء العدویہ (جو سیدات بنی عدی میں سے تھیں، اور دورِ جاہلیت میں لڑکیوں کو لکھاتی پڑھاتی تھیں) کو حاصل کیا جن سے سیدہ حفصہ اُم المؤمنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے قبل لکھنا اور پڑھنا سیکھا۔ جب اُن کی شادی رسول اللہ سے ہوگئی تو آپؐ نے سیدہ شفاء العدویہ کو اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی تعلیم کے لئے طلب فرمایا۔ پس انہوں نے حضرت حفصہؓ کو تحسین الخط کی ویسی ہی تعلیم دی جیسی کہ انہوں نے خود حاصل کی تھی۔ (فتوح البلدان) اور واقدی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ اور اُم سلمہؓ نے پڑھنا اور سیکھا تھا۔ سیدہ نفیسہ بنت الحسن الانور بن زید الابلج بن الحسن

کرنا بلاشبہ ہر مسلم مرد اور مسلم عورت پر فرض ہے۔" امام ابن حزم نے مسلمان حاکم کے اوپر لازم کیا ہے کہ وہ اہل علم حضرات کو جمع کرکے مسلمان بچوں کی تعلیم کا انتظام و اہتمام کرے۔" (الاحکام فی اصول الأحکام لامام ابن حزم ومقالہ "تقریر حقوق الإنسان بین الشریعۃ الاسلامیۃ والفکر والقانون العربی" کلیۃ العلوم الاجتماعیۃ التابعۃ لجامعۃ الامام محمد بن سعود الإسلامیہ بالریاض - العدد ۲، ۱۳۹۸ھ)

بعض اور احادیث میں علم حاصل کرنے کی تاکید و فضیلت اس طرح بیان ہوئی ہے۔

من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل الله حتی یرجع[1] (جامع الترمذی باب فضل العلم ورواه ابن عبدالبر) یعنی جو شخص علم حاصل کرنے کی غرض سے اپنا گھر چھوڑتا ہے تو وہ خدا کی راہ میں ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ واپس گھر پہنچے۔" ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے حکم فرمایا: اطلبوا العلم ولو بالصین فان طلب العلم فریضة علی کل مسلم (جامع بیان العلم وفضله للمحدث ابن عبد البر النمری ج ۱ ص ۹) یعنی علم حاصل کرو خواہ وہ چین میں ہو کیونکہ بلاشبہ علم کا حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فریضہ ہے۔" اور آپؐ نے فرمایا: من سلك طریقًا یطلب فیه علمًا سهل الله له طریقًا إلی الجنة (رواه الترمذی[2] ومفتاح دار السعادة لابن القیم) إن مثل العلماء فی الأرض کمثل نجوم السماء یهتدی بها فی ظلمات البر والبحر فإذا انطمست

(بقیہ حاشیہ ص ۹۸) ابن علی بن ابی طالب، جن کی مصر میں مجلس عام تھی، حضرت امام شافعیؒ خود وہاں پر حاضر ہوئے اور اُن سے احادیث سنیں۔ انہوں نے اسلامی تعلیم و ثقافت کو اپنے جوار میں خوب پھیلایا اور اُن میں اکثر سے آگے نکل گئیں۔ ایک روایت المقری سے ہے کہ ابن المطرف اللغوی جاریہ نے نحو اور لغت کا علم اپنے ولی سے حاصل کیا اور ان میں ملکہ و فوقیت حاصل کی۔ اسی طرح عروض میں بھی آپ نے اپنی مہارت کے باعث "العروضیۃ" کا خطاب پایا۔" (نفح الطیب) ابن خلکان نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور جاریہ کی کتابت کی شہادت اس طرح دی ہے کہ: "درحقیقت اُن کے علم و ادب اور خط جمیل میں کوئی غبار یا شک موجود نہیں۔"

[1] اس روایت کے متعلق امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حسن غریب ہے۔ [2] قال الترمذی ہذا حدیث حسن۔

النجوم یوشك أن تضل الهداۃ ۔ (رواۃ الخطیب فی الفقیہ و المتفقہ ج ۲ صفحہ و ترغیب والترہیب لحافظ المنذری) ولفضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب (جامع بیان العلم وفضلہ لحافظ ابو عمر بن عبد البر ج ۱ ص ۳۹) یشفع یوم القیامۃ الانبیاء ثم العلماء ثم الشہداء ۔ (جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر ورواہ ابن ماجد بسند مختلف) اسی طرح بعض اکابرینِ اسلام کے چند مشہور اقوال یہ ہیں :۔ اطلب العلم من المھد الی اللحد ، من عظم العلماء فقد عظمی اور یوزن یوم القیامۃ مداد العلماء ۔ وغیرہ ۔ اور ۔ امام بیہقی نے علم حاصل کرنے فریضہ کو شعب الایمان میں شمار کیا ہے ۔

ماہرِ تعلیم و ماہرِ نفسیات کی تحقیق کے مطابق بچہ کی ابتدائی تعلیم کی مناسب عمر چھ سال ہے ۔ اس سے کم عمر، بچہ کی ذہنی وجسمانی نشو و نما ۔ کے لئے مخصوص ہے لہذا اس عمر سے قبل اگر اُس پر تعلیم کا بوجھ ڈالا جائے تو اُس کی صحت یقیناً متاثر ہو گی ۔ چھ سال سے کم عمر بچوں کو کھیل و شرارت کرنے سے روکنا یا ڈانٹنا اور ڈرانا مناسب نہیں ہے اور نہ ہی چھ سال کی عمر پوری ہونے پر ایک ساتھ اُس پر تعلیم کا بوجھ ڈالنا مناسب ہے ۔ ابتداءً ہلکے ہلکے بچہ کو علم کی طرف راغب کرنا چاہیئے ۔

اسلام کی چند ابتدائی صدیوں کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں آج جیسے کالج اور اسکول نہ تھے بلکہ مساجد تعلیم و عرفان کی مرکز ہوا کرتی تھیں جن میں مشاہیر علماء منصبِ تدریس پر مقرر ہوتے تھے ۔ یہ علماء اکثر مناظرہ و مباحثہ کی مجالس میں شرکت کے لئے دور دراز سفر بھی کرتے تھے ۔ ان فاضل علماء کے چاروں طرف مسلمان بچے و نوجوان و بوڑھے جمع ہو کر صحیح علمی فکر و شعائرِ اسلامی اور تطہیرِ نفوس کی نعمت سے فیضیاب ہوتے تھے ۔ حضارۃ الاسلامیہ کی تاریخ میں ایسے تعلیمی و مباحث علمی کے مراکز کا بکثرت ذکر ملتا ہے ۔ اِنہی مراکز دین نے جو دینی

---

[1] قال حمزۃ ھذا احدیث حسن غریب ۔

دلی وعلمی وادبی خدمات انجام دی ہیں اُن نظیر ملنا محال ہے۔ مشہور فقیہ امام شاطبیؒ المتوفی ۷۹۰ھ اپنی فنِ اصول پر لکھی جانے والی کتاب میں ’مراعاۃ الفروق الفردیۃ‘، اور ’المیول لدی المتعلمین‘ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

فان کان کل واحد قد غرز فیہ التصرف الکلی فلا بد فی غالب العادۃ من غلبۃ البعض علیہ فیرد التکلیف علیہ معلماً مؤدباً فی حالتہ التی ھو علیہا، فعند ذلک ینتھض علی کل مکلف فی نفسہ من تلک المطلوبات بما ھو ناھض فیہ ویتعین علی الناظرین فیہم الالتفات إلی تلک الجہات فیراعونہم بحسبہا ویراعونہا إلی أن تخرج فی أیدیہم علی الصراط المستقیم۔ ویعینونہم علی القیام بہا ویحرضونہم علی الدوام فیہا حتی یبرز کل واحد فیما غلب علیہ ومال إلیہ من تلک الخطط ...... الخ

اسلام صرف دینی تعلیم حاصل کرنے پر ہی مجبور نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ اور دنیاوی علوم وفنون (مثلاً علوم عمرانیات، طب، ادب، سائنس، دستکاری، تجارت، کاشتکاری، صنعت وحرفت اور فن سپہ گری وغیرہ) بھی سیکھنے کی یکساں ترغیب دلاتا ہے۔ چنانچہ فقیہ امام شاطبیؒ تعلیم النظری وتدریب المنہجی واحتکاک بالمبرزین اور تجبرۃ العلیہ کو خصوصی اہمیت دیتے ہوئے لکھتے ہیں : أھلہا فیعاملونہم بما یلیق بہم لیکونوا من أھلہا إذا صارت لہم کالأوصاف الفطریۃ والمدرکات الضروریۃ، فعند ذلک یحصل الانتفاع وتظہر نتیجۃ تلک التربیۃ۔“ (الموافقات للشاطبی۔ تعلیق عبد اللہ دراز۔ طبعۃ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۵ھ بمطابق ۱۹۷۵ء ۱ ص ۱۷۹-۱۸۱)

---

[1] مزید تفصیل کے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں۔
ایہا الولد للغزالی، آداب المعلمین لمحمد بن سحنون، التربیۃ الاسلامیۃ أو التعلیم عند القابسی تألیف أحمد فؤاد الأھوانی القاہرۃ، آداب المتعلمین ورسائل أخری فی التربیۃ الاسلامیۃ تحقیق أحمد عبدالغفور

(بقیہ حاشیہ ص ۸۴ پر)

متفرقات :-

## (ا) بچوں کو جسمانی ریاضت و حفظانِ صحت سے روشناس کرانا

بچہ کو ذہنی و شعوری تعلیم کے ساتھ جسمانی صحت سے متعلق ریاضت و حفظانِ صحت کے ضروری قوانین بھی سکھانا چاہئیں - بلا شبہ اسلام میں بچّوں کی صحیح جسمانی و معنوی قوت و صحت مطلوب ہے - حدیث شریف میں مذکور ہے اَن المؤمن القوی خیر واحب إلی اللہ من المؤمن الضعیف یعنی طاقتور مومن اللہ کے نزدیک زیادہ اچھا اور پسندیدہ ہے بہ نسبت کمزور مومن کے " رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسمانی صحت کے لئے ریاضت اور مصارعہ کو پسند فرمایا ہے - مروی ہے کہ حسن و حُسین رضی اللہ عنہما رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں مصارعہ کرتے تھے اور آپؐ اس سے راضی وخوش ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ اُن میں سے ایک کو آپؐ نے مخاطب فرمایا : " هیه یاحسن، خذ حسینًا" آپؐ کے اس قول سے مصارعہ کی ہمت افزائی کرنا ثابت ہے - ایک دوسرا واقعہ بھی بہت مشہور ہے کہ غزوہ کے موقعہ پر آپؐ نے مسلمان بچوں میں سے ایک کو جہاد کی اجازت دے دی اور دوسرے کو اُس کے چھوٹے قد یا چھوٹی عمر کے باعث رد فرما دیا۔ جس بچہ کو آپؐ نے رد فرمایا تھا (یعنی سمرۃ بن جندب نے) کہا : یارسُول اللہ آپنے رافع (رافع بن حدیج) کو اجازت دے دی اور مجھے رد فرما دیا - حالانکہ میں بہت تیز لڑتا ہوں۔ رسُول اللہ صلوات اللہ علیہ نے دونوں کو مقابلہ کا حکم فرمایا " فدونك فصادعہ " انہوں نے بہت تیز مصارعہ کیا - پس رسُول اللہ نے دونوں بچوں کو جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کی اجازت دیدی -

مسلم بچہ کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ذمہ داروں پر یہ بھی فرض ہے کہ وہ ہر

---

(بقیہ حاشیہ ص۸۳) عطار بیروت ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۹۶۶ء، التربیۃ الإسلامیۃ تألیف أحمد شلبی، الدراسات النفسیۃ عند المسلمین وعند الغزالی بوجہ خاص لعبد الکریم عثمان، اور دراسات اجتماعیۃ فی العصور الاسلامیۃ لعمر رضا کحالۃ دمشق ۱۳۹۳ھ بمطابق ۱۹۷۳ء وغیرھا -

ایسی چیز کا مقابلہ کریں جو مردانگی و شجاعت کی روح کو کمزور کر رہی ہو یا عجز و تخنث پیدا کرتی ہو۔ عریاں صحافت نگاری، فحش اور ملحدادب نیز موسیقی و رقص و سرود کی بیخ کنی کے ساتھ ساتھ ایسی تمام چیزوں کی روک تھام کریں جو نوجوانوں میں نفاق، بے حیائی، معصیت، فسق و فجور اور شہوت پرستی کی تبلیغ کر رہی ہوں۔

**(ب) بچّوں کو جہاد کی تربیّت دینا:-** تعلیم و تربیت کے ذمہ داروں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ بچوں کو اتنا ناز و نعم میں زندگی گزارنے نہ دیں کہ اُن کے جسم کمزور ہو جائیں بلکہ فوجی زندگی، سادگی، استقلال، عزیمت، خود اعتمادی، قوت فیصلہ، قائدانہ صلاحیت، استقامت کی اہلیت اور مصائب پر صبر و تناعت کی خصوصیت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ فوجی زندگی تعلیم و تربیت مجاہدانہ ریاضت کے لئے ناگزیر ہے اس لئے ورزش، تیراکی، نشانہ بازی، شمشیر زنی و شہسواری کی ہمیشہ مشق کرانا چاہیئے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی بہت تاکید فرمائی ہے۔

آپؐ کا ارشاد ہے: الا ان القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی (مسلم)

"ترجمہ:۔ یاد رکھو قوت (جس کے تیار رکھنے کی قرآن مجید میں تاکید ہے) وہ تیر اندازی ہے وہ تیر اندازی ہے"

ارموا بنی اسماعیل فان اباکم کان رامیا۔ (بخاری)

"ترجمہ:۔ اے اہل عرب! تیر اندازی کی مشق رکھو اس لئے کہ تمہارے جد امجد (حضرت) اسماعیلؑ تیر انداز ہے۔"

کل شئ من لھو الدنیا باطل الاثلثہ انتضالک بقوسک وتادیبک فرسک و ملاعبتک اھلک فانھن من الحق۔ (رواہ حاکم فی

"ترجمہ: دنیا کے لہو یعنی کھیل تفریح کی تمام چیزیں باطل ہیں سوائے ان تین چیزوں کے (۱) تمہارا اپنی تیر و کمان سے مشق کرنا (۲) تمہارا اپنے گھوڑے پر مشق کرنا (۳) اور

المستدرک وقال حدیث صحیح علی شرط مسلم)

تمہارا اپنے گھر والوں کے ساتھ ملاعبت کرنا۔"

ارموا و ارکبوا و ان ترموا احب الیّ من ان ترکبوا من علم الرمی ثم ترکہ فلیس منا (حدیث)

"ترجمہ: نشانہ بازی اور شہسواری سیکھو اور مجھے تمہاری نشانہ بازی شہسواری سے زیادہ پسند ہے۔ جس نے تیر اندازی (نشانہ بازی) سیکھی اور اُس کو ترک کر دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

ان اللہ یدخل بالسھم الواحد ثلاثۃ فی الجنۃ، صانعہ یحتسب فی صنعہ الخیر، الرامی بہ و منبلہ۔ (حدیث)

"ترجمہ: یقیناً اللہ تعالےٰ داخل کرے گا ایک تیر کے طفیل تین کو جنت میں، اس کے بنانے والے کو (جو خیر کی نیت سے اُسے بنائے)، اُس کے استعمال کرنے والے کو اور استعمال کے لئے دینے والے کو۔"

ستفتح علیکم ارضون و یکفیکم اللہ فلا یعجز احدکم ان یلھو بسھمہ (حدیث)

"ترجمہ: تم کئی ممالک کو فتح کرو گے اور اللہ تمہارے لئے کافی ہو گا۔ پس تیر اندازی نہ چھوڑنا۔"

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، عجمی ممالک میں اپنے عرب کو تاکیداً لکھتے ہیں:-

ایاکم والتنعم وزی العجم وعلیکم بالشمس فانھا حمام العرب و تمعددوا واخشوشنوا واخلولقوا واعطوا الرکب اسنتھا وانزوا نزوًا

"ترجمہ: تن آسانی وراحت طلبی کی زندگی اور عجمی لباسوں سے ہمیشہ دُور دُور رہنا، دھوپ میں بیٹھنے اور چلنے کی عادت برقرار رکھنا کہ وہ عربوں کا حمام ہے۔ جفاکشی سادہ زندگی و تحمل موٹے

وارموا الاغراض۔ (بغوی) | جھوٹے پہننے کے عادی رہو، گھوڑے پر جست لگا کر بے تکلف بیٹھنے کی مشق رہنی چاہیئے اور نشانے دُرست ہوں۔"

خلیفہ دوم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپؓ نے بچوں کو نشانہ بازی و تیراکی اور گھوڑے پر جست لگا کر چڑھنے کی مشق و تعلیم کی وصیت فرمائی تھی۔ چنانچہ رفیق المعظم اپنی مشہور تالیف اشہر مشاہیر الاسلام میں حضرت عمر بن الخطابؓ مناقب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔" وقد روی عن الخلیفۃ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الوصیۃ بتعلیم الاولاد الرمی والعوم وأمرھم بالوثوب علی الخیل وثباً لا رکوبا فحسب" (أشھر مشاھیر الاسلام، باب مناقب عمر، مؤلفہ رفیق المعظم)

نوٹ:۔ اس حکم میں جدید اوزار حرب (مثلاً توپ، ٹینک، رائفل، میزائل، طیارہ شکن توپ، بمبار طیارہ، بم، آب دوز کشتی، بحری بیڑہ وغیرہ) کی تعلیم و تربیت بھی شامل ہے۔

اسلام کی بقاء کے لئے لازم ہے کہ خود اور اپنی نسلوں کو ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ[1] کے لئے مستعد رکھا جائے۔ مسلمانوں پر جہاد فی سبیل اللہ ایک اہم فریضہ ہے۔ ماں باپ کو چاہیئے کہ اپنے بچوں کو صحابہ کرامؓ و مجاہدین اسلام کے دلولہ انگیز کارنامے سُنا کر اُن میں جذبۂ جہاد و شوقِ شہادت ابھاریں ایسے واقعات بخاری و مسلم و دیگر کتب احادیث و تواریخ و سیریں بکثرت مل جائیں گے۔ فنِ حرب سے واقفیت کے لئے بچوں کو باقاعدہ ٹریننگ دینا بھی ضروری ہے۔ ان تربیت یافتہ مسلم نوجوانوں سے اسلام کو یقیناً ایک نئی زندگی اور تازہ رُوح مل جائے گی۔

---

[1] اسلام میں فریضہ جہاد کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا ایک بہتر و جامع خاکہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب (مرحوم) نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "الجہاد فی الاسلام" میں پیش کیا ہے۔ تفصیل کے لئے ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص کی مندرجہ ذیل وصیت تمام مسلمانوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیئے۔ (یہ وصیت آپ نے مصر کے مسلمانوں کو فرمائی تھی)۔

"اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ تم قیامت تک خطرہ کی حالت میں ہو۔ اور ایک اہم ناکہ پر کھڑے ہوئے ہو۔ اس لئے تم کو ہمیشہ ہوشیار اور مسلح رہنا چاہیئے کیونکہ تمہارے چاروں طرف دشمن ہیں اور اُن کی نگاہیں تم پر اور تمہارے ملک پہ لگی ہوئی ہیں۔" تاریخ مصر از جرجی زیدان)

جب ان نو عمروں کو اپنے گرد و پیش پھیلے ہوئے خطرات کا احساس ہوگا اور ساتھ ہی مجاہدین و شہدائے اسلام کے جوشِ ایمانی و ایثار و قربانی سے لبریز نمونے اُن کی نگاہوں کے سامنے آئیں گے تو انشاء اللہ دنیا میں پھر ایک بار بلال و عمار و جناب خبیب و صہیب و مصعب بن عمیر، عثمان بن منطعون، انس بن النصر، عمرو بن جموح، عمیر بن حمام انصاری اور سعد بن معاذ وغیرہ جیسے جان نثار پیدا ہوں گے، جنت کی ہوائیں اور قرنِ اوّل کے ایمانی جھونکے دوبارہ چلیں گے اور ایک نیا اور طاقتور عالمِ اسلام ظہور میں آئے گا۔

## (ج) بچوں کے ساتھ خصوصی رحم وشفقت کا حکم

اسلام بچوں کے ساتھ خصوصی رحم وشفقت سے پیش آنے کا حکم دیتا ہے، اور اُن پر ظلم و تشدد سے روکتا ہے حتیٰ کہ دورانِ جنگ اگر کوئی دشمن قوم کا بچہ ملے تو اُس پر ظلم سے باز رہنے کا حکم دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا: "اللہ کا نام لے کر جاؤ اور اُس کی راہ میں جا کر لڑو۔ جو خدا سے بغاوت کرے اُس سے لڑو مگر عہد شکنی نہ کرنا، نہ لاشوں کا مُثلہ کرنا اور نہ کسی بچے کو قتل کرنا (مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

بچوں کے ساتھ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، کی خصوصی شفقت و محبت کے بہت سے واقعات عنوان "حقوق العظیم" کے تحت بیان کئے جاچکے ہیں۔ آپؓ سے متعلق ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایک مرتبہ آپ (حضرت عمرؓ) نے ایک بچہ کو اُس کے ولی کے سامنے پیار کیا تو اُس بچہ کے ولی نے آپ سے کہا: أتقبل أطفالك يا أمير المؤمنين فوالله إننا لا نفعل .... " تو حضرت عمر بن الخطابؓ

نے فوراً جواب دیا:۔ وما ذا أفعل إذا كانت الرحمة قد نزعت من قلوبكم ؟ اور جب آپؐ نے مسلمانوں میں بچوں کے لئے محبّت ورحم کے اس نقص جو ہری کو دیکھا تو بہت تعجب فرمایا" (المجلة الفيصل مكة المكرمة العدد ۲۷ ص۲۰ ماہ اگست ۱۹۷۹ء)

سُنّت مطہرہ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں سے شفقت و محبّت کا ایک پُراثر واقعہ منقول ہے جو اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ باجماعت نماز ادا فرمارہے تھے ۔ نماز میں آپؐ نے سجدہ فرمایا تو سجود کو طویل دیا۔ جب نماز ختم ہو چکی تو آپؐ کے اصحابؓ نے اِس کا سبب پوچھا ۔ آپؐ نے فرمایا " إن ابني ارتحلني فكرهت أن أعجله" . . . ۔اس کی وجہ یہ تھی کہ رسُول الکریم کی پشت مبارک پر آپ کے نواسہ سجدہ کے دوران چڑھ گئے تھے تو آپؐ نے نہ اُنہیں ڈانٹا اور نہ ہٹا کر اپنے سے الگ فرمایا بلکہ سجدہ کی حالت میں رُکے رہے حتّٰی کہ وہ اتر سکیں۔

## (د) شوہر کے مال میں سے بلا اجازت اولاد کا خرچ لینا جائز ہے

مکہ معظمہ میں جب عورتوں سے بیعت لی جارہی تھی اس وقت حضرت ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عقبہ نے اُس حکم (جو سورۃ الممتحنہ کی آیت نمبر۱۲ میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: وَلَا يَسْرِقْنَ اور چوری نہ کریں گی") کی تشریح دریافت کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسُول اللہؐ ابوسفیان ذرا بخیل آدمی ہیں۔ کیا میرے اوپر اس میں کوئی گناہ ہے کہ میں اپنی اور بچوں کی ضروریات کے لئے اُن سے پوچھے بغیر اُن کے مال میں سے کچھ لے لیا کروں ؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، مگر بس معروف کی حد تک (یعنی بس اتنا مال لے لو جو فی الواقع جائز ضروریات کے لئے کافی ہو)۔ (احکام القرآن، ابن عربی)

## (س) اولاد بحیثیت سامانِ آزمائش

اسلام نے بچوں کے ساتھ رحمدلی، ایثار، جاں نثاری، محبت اور شفقت کرنے کا حکم ضرور دیا ہے لیکن ساتھ ہی اس امر کی تنبیہ بھی کردی ہے کہ اولاد کی محبت کہیں اتنی نہ بڑھ جائے کہ جو تمہیں تمہارے فرائض سے غافل کردے یا اللہ کی محبت

پر غالب آجائے۔ قرآن کریم میں خدا تعالےٰ بار بار اولاد کو والدین کے لئے سامان آزمائش بتاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ج (المنفقون-۹)

"ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں"

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ (الانفال - ۲۸)

"ترجمہ: اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد درحقیقت سامان آزمائش ہیں"

اور اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (التغابن - ۱۵)

"ترجمہ:- تمہارے مال اور تمہارے اولاد تو ایک آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے"

ان آیات قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ اولاد اور مال سے ہوشیار رہو یعنی ان کی دنیا بنانے کے لئے اپنی عاقبت نہ برباد کرلو۔ اُن کی محبت کو کبھی اپنے دل میں اس حد تک نہ بڑھنے دو کہ وہ اللہ اور رسول کے ساتھ تمہارے تعلقات اور اسلام کے ساتھ تمہاری وفاداری میں حائل ہوجائیں۔ اُن پر کبھی اتنا اعتماد نہ کرو کہ تمہاری بے احتیاطی سے مسلمانوں کی جماعت کے اسرار انہیں معلوم ہوجائیں اور وہ دشمنوں تک پہنچیں۔ یہ وہی بات ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں مسلمانوں کو ان الفاظ میں خبردار کیا ہے:-

يؤتى برجلٍ يوم القيمة فيقال اكل عياله حسناته (حدیث)

"ترجمہ: ایک شخص قیامت کے روز لایا جائے گا کہ اس کے بال بچے اس کی ساری نیکیاں کھاگئے"

کیا ہی عمدہ بات کہی ہے مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے کہ:-

"جن بہنوں کو اللہ نے اولاد دی ہے اُن کے ہاتھ میں تو گویا اللہ نے امتحان کے وہ پرچے دے دیئے ہیں جن پر اگر وہ کامیابی کے نمبر نہ لیں سکیں تو پھر دوسرا کوئی پرچہ

بھی اُن کے اس نقصان کی تلافی نہ کر سکے گا۔ اُن کی توجہ کی مستحق سب سے بڑھ کر اُن کی اولاد ہے جسے دین اور دینی اخلاق کی تربیت دینا اُن کی ذمہ داری ہے۔" (بحوالہ ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ ماہ اپریل ۱۹۸۰ء صفحہ ۱۶۱)

اولاد والدین کے لئے خدا تعالےٰ کا بڑا انعام اور رحمت کا باعث ہوتی ہے خواہ اُس کی جنس لڑکا ہو یا لڑکی۔ اولاد کے لئے والدین کی اُنسیت و محبت ہونا فطری چیز ہے لیکن اس بات کو ہمیشہ مدِنظر رکھنا چاہیئے کہ یہ خدا تعالےٰ کے انعام سے کہیں زیادہ اُس کی امانت ہے، جس کی پرورش و تربیت کی تمام ذمہ داری والدین پر عائد کی گئی ہے۔ خدا تعالےٰ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی امانت جب چاہے اُن سے واپس لے لے۔ ایسے حالات میں والدین کو صدمہ و رنج ہونا ایک فطری عمل اور شانِ بشریت ہے، لیکن اولاد کی موت پر صبر کرنا اور خدا تعالےٰ کے فیصلے و حکم پر ثابت قدم و قانع ہونا مقام عزیمت ہے، اور اس کا بڑا اجر و انعام ہے۔ خدا تعالےٰ کبھی بندے کو اولاد کی نعمت و انعام سے نواز کر اُس کی آزمائش فرماتا ہے تو کبھی اُس سے اپنی امانت واپس لے کر۔ جو ہر دو حالات میں اُس پروردگار کا شکر بجا لائیں وہی دنیا و آخرت میں شاد کام ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب کسی بندے کا بچہ مر جاتا ہے تو اللہ تعالےٰ اپنے فرشتوں سے دریافت فرماتا ہے: تم نے میرے خلاف بندے کے بچے کی رُوح قبض کر لی ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: ہاں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: تم نے میرے بندے کے لختِ جگر کی روح قبض کر لی ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: ہاں اے پروردگار۔ اس پر اللہ تعالےٰ اُن سے پوچھتا ہے: اس موت پر میرے بندے نے کیا کہا؟ فرشتے کہتے ہیں: اس نے آپ کی حمد فرمائی اور اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون کہا۔ یہ سُنکر اللہ تعالےٰ حکم دیتا ہے: میرے اس بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اُس کا نام بیت الحمد رکھو۔" (ترمذی)

**(ز) بچہ کی سال گرہ منانا:-** بعض انگریزی تعلیم یافتہ گھرانوں میں بچہ کی سال گرہ منانے کا رواج پایا جاتا ہے۔ اس موقعہ کے لئے ایک خصوصی کیک بنایا جاتا ہے اور بچہ کی عمر کے مطابق اُس پر شمعیں روشن کی جاتی ہیں، کیک پر بچہ کا نام اور یوم ولادت لکھا ہوتا ہے،

تمام اعزاء و احباب کو پہلے سے دعوت دیجاتی ہے اور اُن سب کی موجودگی میں بچہ ان شمعوں کو پھونک مار کر گل کرتا ہے بعدازاں کیک کاٹتا ہے۔ اعزاء و احباب قیمتی تحائف پیش کرتے ہیں۔، حاضرین مجلس تالیاں بجاتے اور بچہ کی پیدائش کے پُرمسرت "نعرے بلند کرتے ہیں۔ اگر بچہ صغیر سنی کی بنا پر شمعوں کو گل نہ کر سکے یا کیک نہ کاٹ سکے تو اُس کا کوئی قریبی رشتہ دار (مثلاً ماں باپ) یا کوئی اور اہم شخص یہ فرائض انجام دیتا ہے۔

ہم مسلم معاشرہ میں پائی جانے والی اس غیر اسلامی و بے بنیاد رسم کو مٹا دینا چاہتے ہیں کہ یہ یہود و نصاریٰ اور غیر مسلموں کا طریقہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کی نقالی یا اُن سے مشابہت کرنے سے تمام اہل اسلام کو منع فرمایا ہے:۔

قال رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فہو منہم (رواہ ابوداؤد عن ابن عمرؓ ورواہ الطبرانی عن حذیفہ مرفوعًا) وروی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما: من تشبہ بہم حتی یموت حشر معہم۔ قال رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم: لیس منا من تشبہ بغیرنا لا تشبہوا بالیہود ولا بالنصاری فإن تسلیم الیہود الاشارۃ بالاصابع و تسلیم النصاری الاشارۃ بالأکف (رواہ الترمذی عن ابن عمرو بن العاصؓ)

## (س) اپنی اولاد کے درمیان عدل کا راستہ اختیار کرو

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ جب اپنے کسی ایک بچہ کو تحفہ دو یا نیا لباس بناؤ یا اچھا طعام اور اچھی تعلیم کی سہولت فراہم کرو تو تم پر لازم ہے کہ اپنے دوسرے بچوں کو بھی اسی طرح تحائف دو، نئے لباس بناؤ، اچھا طعام و بہتر تعلیم دو تاکہ اُن کے درمیان عدل قائم رہے۔ اور ان میں سے کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ نفسیاتی اعتبار سے بچے بہت حساس فطرت ہوتے ہیں اس باعث اگر اُن کے درمیان عدل و مساوات کا رویہ اختیار نہ کیا جائے تو اُن میں ایک دوسرے کے لئے نفرت و دشمنی کے جذبات پیدا ہونے لگتے ہیں۔

عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ماں باپ اپنی پہلی یا آخری اولاد پر نسبتاً زیادہ مہربان ہوتے ہیں یا پھر لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دیتے ہیں جس سے عدل کا قائم ہونا محال

ہے اسلام اِن تمام باتوں سے روکتا ہے۔ نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

| | |
|---|---|
| اعدلوا بین ابنائکم، | "ترجمہ : اپنی اولاد کے درمیان |
| اعدلوا بین ابنائکم، | عدل کرو، اپنی اولاد کے درمیان |
| اعدلوا بین ابنائکم، | عدل کرو، اپنی اولاد کے درمیان |
| (اخرجہ النسائی وابوداؤد) | عدل کرو" |

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اعدلوا بین اولادکم فی العطیۃ وھل للوالد أن یرجع فی عطیۃ (ما یأکل من مال ولدہ بالمعروف ولا یتعدی (رواہ البخاری)


الحمدللہ

# جَامعُ القُرآن

یعنی قرآن اکیڈمی ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن کی جامع مسجد میں

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا

ہر جمعرات کو بعد نماز مغرب

قرآن حکیم کے ابتداء سے مسلسل درس قرآن کا وہ سلسلہ جاری ہے جس کا آغاز مسجد خضراء سمن آباد میں ہوا تھا اور جو بعد میں مسجد شہداء میں جاری رہا۔ سورہ یٰسٓ الحمد للہ ختم ہو گئی ہے اور سورۃ الصّٰفّٰت شروع ہو رہی ہے۔

بعد عشاء شب بیداری کا بھی سلسلہ جاری رہے ہے۔

# افکار و آرا

## "الہدیٰ" اور دوسرے ٹی وی پروگرام

مرتبہ : جمیل الرحمٰن

امام دارالہجرہ امام مالک بن انس کے ایک تاریخی جملے کے حوالے سے مولانا ابوالکلام مرحوم نے "البلاغ" کے پہلے شمارے ۱۲ / نومبر ۱۹۱۵ء میں لکھا تھا جب وہ برصغیر پاک و ہند میں اُمتِ مسلمہ کو قرآن مجید کی طرف رجوع کرنے کا صور پھونک رہے تھے - "کہ اگر کوئی مسلمانانِ عالم کی تمام تباہ حالیوں اور بدبختیوں کا ایک ہی جملے میں علاج پوچھے تو اس کو امام مالکؒ کے الفاظ میں جواب ملنا چاہیئے کہ" لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا" یعنی اُمتِ مرحومہ کے آخری عہد کی اصلاح کبھی نہیں ہو سکے گی "تاوقتیکہ وہی طریق اختیار نہ کیا جائے جس سے اس کے ابتدائی عہد نے اصلاح پائی تھی اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ قرآن حکیم کی اصلی و حقیقی معارف کی تبلیغ کرنے والے مرشدین صادقین پیدا کئے جائیں ۔"

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چند یہ صور پھونکنے کے بعد مولانا آزاد مرحوم کی دلچسپیوں اور کوششوں کا رُخ تبدیل ہو گیا تاہم اس صدی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا احیائی عمل جس مرحلے میں داخل ہوا ہے اس میں بحمداللہ رفتہ رفتہ رجوع الی القرآن کا داعیہ نشو و نما پا رہا ہے اور برگ و بار لا رہا ہے - اور اس دورِ جدید کے تقاضوں کے پورا کرنے کے لئے قرآنِ حکیم کے معارف و ہدایات کی تبیین و تشریح کا ایک عمل پیہم جاری و ساری ہے سیاسیات، معاشیات، عمرانیات نفسیات، معاشرات، معاملات تہذیب و تمدن، فقہیات اور حکمت و فلسفہ الغرض زندگی کے جس شعبے میں بھی نئے نئے نظریات پیدا ہوتے ہیں تو اس دور میں ایسے علماء حق بھی نمودار ہوتے ہیں جنہوں نے ان ہی تقاضوں

کے پیش نظر قرآن حکیم کی حکمتوں کی تعلیم و تدریس اور تشریح و تفسیر میں اپنی متاعِ زندگی کھپا دی ہے اور کھپا رہے ہیں۔ ایسی مستقل تفاسیر منصۂ شہود پر آئی ہیں جن میں قرآنی تعلیمات و ہدایات کو دورِ جدید کے اذہان کے مطابق پیش کیا گیا ہے۔

آج جب ایک طرف سائنس کا دَور دَورہ ہے، دوسری طرف مادہ پرستانہ فلسفوں اور نظریات نے ہمارے تعلیم یافتہ طبقے کے اذہان کو مسحور کر رکھا ہے اور ان کے لئے یہی نظریات معیارِ فہم و تفہیم بن گئے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آج ایسے اصحابِ فکر و نظر بھی موجود ہیں جو علومِ جدید کی روشنی میں قرآن حکیم کے اپنے مخصوص استدلال کے ذریعے ان باطل نظریات کا ابطال اور احقاقِ حق میں ہمہ تن مصروف ہیں اور قرآن حکیم کی ابدی تعلیمات و ہدایات کو اس دَور کے تقاضوں کے مطابق مبرہن و واضح کر رہے ہیں۔

ان ہی خادمانِ دینِ متین اور کتابِ عزیز کی صف میں ڈاکٹر اسرار احمد بھی کھڑے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے جہاں ان پر فہمِ قرآنی کی ارزانی فرمائی ہے، وہاں ان کو افہام و تفہیم کا ایک دل نشین اور پُر تاثیر انداز بیان اور طرزِ تخاطب بھی عطا فرمایا ہے۔ پھر ان کو یہ توفیق بھی عنایت فرمائی ہے کہ انہوں نے ہر طرف سے منہ موڑ کر یکسوئی کے ساتھ اپنی زندگی دعوتِ قرآنی کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے سامنے کے دین کے تقاضے اور مطالبات پیش کرنے اور ان پر یہ بات واضح کرنے کے لئے کہ ان کا ربّ ان سے کیا چاہتا ہے اور ان کو کن اوصاف سے متصف دیکھنا چاہتا ہے قرآن مجید کا ایک منتخب نصاب مرتب کیا ہے جس کے ذریعے مسلمان کے "دل و نگاہ" کی حقیقی مسلمان بننے کی دعوت نیز دین کے مطالبات و تقاضے بھی سامنے آتے ہیں اور ضمناً دین کا ایک جامع تصور بھی نمایاں اور واضح ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ۱۹۶۸ء سے پاکستان کے مختلف شہروں بالخصوص شہر لاہور میں بیسیوں مرتبہ اس منتخب قرآنی نصاب کا درس دیتے رہے ہیں (آج کل مسجد شہداء لاہور میں پھر ہر بدھ کو عصر تا مغرب اس کا درس ہو رہا ہے) اللہ تعالےٰ کا یہ خصوصی فضل ہوا کہ ٹی وی کے ارباب حل و عقد نے ڈاکٹر صاحب کو یہ منتخب نصاب ٹی وی پر پیش کرنے کی

دعوت دی اور ۱۴ اپریل ۸۱ء سے یہ پروگرام ہر جمعرات کو اردو خبرنامے سے پہلے باقاعدگی سے نشر ہو رہا ہے - یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ یہ پروگرام افادیت و تاثیر کے لحاظ سے ٹی وی کے شائقین میں قبول عام حاصل کر رہا ہے - اسی کی پسندیدگی کے سلسلے میں ملک کے گوشے گوشے سے بیشمار خطوط ہمیں موصول ہو رہے ہیں - جن میں سے چند کے اقتباسات قارئین میثاق کے لئے ذیل میں پیش ہوں گے - اکثر خطوط میں لوگوں نے وقت کی کمی کی شکایت اور احساس تشنگی کا اظہار کیا ہے - ظاہر ہے کہ وقت کا تعین ٹی وی کے ذمہ داریان کے ہاتھ میں ہے - ڈاکٹر صاحب کو مقررہ وقت میں اپنا بیان ختم کرنا ہوتا ہے لہذا بعض پہلو تشنہ رہ جاتے ہیں - ٹی وی اسٹیشن لاہور کی رپورٹ یہ ہے کہ کوئی دن ایسا ہوتا ہوگا جس میں اس پروگرام کی تحسین اور پسندیدگی کے خطوط نہ آتے ہوں بعض خطوط کا ذکر ٹی وی کے مستقل پروگرام "اپنی بات" میں کئی بار کیا جا چکا ہے -

مزید براں معتبر ذرائع سے پاکستان کے اکثر قابل ذکر شہروں سے یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے اکثر حضرات یہ پروگرام نہایت پابندی اور اشتیاق کے ساتھ دیکھتے ہیں اور اس کی خاطر اپنے اوقات کو بالالتزام فارغ رکھتے ہیں ان اوقات میں ضروری ملاقاتیں (Appointments) بھی موخر کر دیتے ہیں ـــــ جو لوگ رمضان المبارک میں ٹی وی بند کر کے رکھ دیا کرتے ہیں وہ بھی اس پروگرام کو دیکھنے کے لئے اس پابندی کو برقرار نہیں رکھ سکے -

ملک کے مقبول و معروف روزنامہ جنگ میں کراچی اور لاہور کے اسٹاف رپورٹرز کی یہ رائے شائع ہوئی ہے کہ "الہدیٰ" سے زیادہ آج تک کوئی دینی و مذہبی پروگرام مقبول نہیں ہوا - اس کی تاثیر، افادیت اور دلنشیں طرز بیان و تخاطب کے ٹی وی کے شائقین کے ہر طبقے کے لوگ معترف ہیں

آیئے اب چند خطوط کے اقتباسات ملاحظہ فرمایئے (ج - س)

جناب سید فضل الرحمٰن صاحب جعفری بی۔ اے، علیگ (مشہور ادیب و صحافی) کراچی سے رقم طراز ہیں۔

"آپ سے غائبانہ تعارف تو طویل عرصہ سے ہے، لیکن ملاقات کی سعادت آج تک حاصل نہیں ہوئی جس کا ملال ہے اور امتدادِ زمانہ سے یہ ملال شدید تر ہوتا جا رہا ہے۔ "الہدیٰ" کے ذریعہ آپ سے ملاقات ہوتی رہتی ہے، جس نے آتشِ شوق کو تیز تر کر دیا ہے۔ یہ سطور اسی لئے لکھ رہا ہوں کہ اب یارائے ضبط باقی نہیں رہا تھا، کچھ اور نہیں تو نصف ملاقات ہی سہی۔ آپ کے علمی اور تحقیقی، افکار و تخلیقات سے تو میں پوری طرح واقف نہیں ہوں، لیکن قرآن کریم پر آپ کے جو لکچر "الہدیٰ" کے ذریعہ ہو رہے ہیں۔ وہ بیحد دلچسپ اور فکر انگیز ہیں۔ آپ کا اسلوب بیان بہت دلآویز ہے۔ مضامین میں جو تسلسل، اور باہم ارتباط ہوتا ہے وہ بھی بیحد دلپذیر ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو جو صلاحیت بخشی ہے، وہ اس دور میں بلاغیت ہے۔ آج کی نئی نسل کو گمراہ کن عقیدوں، اور مغربی افکار و خیالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان کی صحیح رہنمائی کی شدید ضرورت تھی۔

الحمدللہ کہ وہ آپ کے ذریعہ کسی حد تک پوری ہو رہی ہے۔ والسلام

● جناب اطہر حسن زیدی صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج مردان اپنے خیالات کا ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں۔

السلام علیکم۔ میں ان کروڑوں مداحوں میں سے ایک ہوں جسے آپ نہیں جانتے لیکن جو آپ کے ذہن مبارک سے نکلے ایک ایک پھول کو یوں چنتے ہیں جیسے حاصلِ کلام ہو۔ بہت دنوں سے سوچ رہا تھا کہ خط لکھوں اور اپنی عقیدت کا اظہار کروں لیکن آج آپکا پتہ معلوم ہوا تو یہ سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ آج اخبار میں دیکھا کہ حکومت کی جانب سے آپ کی علمیت کے اعتراف میں تمغۂ امتیاز آپکو پیش کیا جائے گا۔ دل نے کہا مبارکباد کا موقع ہے۔ عقل نے کہا کہ ان اعزازات سے آپ کی عزت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ اس اعزاز کا وقار بڑھ جاتا ہے جو آپ کو پیش کیا جاتا ہے۔ آپ ان اعزازات سے بلند ان لوگوں کے دلوں میں ہیں جو آپ کے مقام کی عظمت کا احساس رکھتے ہیں

آپکے پچھلے سال کے رمضان المبارک والے پروگرام بڑی باقاعدگی سے دیکھے اور اور اس سال الھُدیٰ اسی باقاعدگی سے دیکھتا ہوں - قرآن فہمی اور قرآنی آیات پر تفکر کی دعوت اس سے زیادہ خوبصورت طریقہ سے نہیں دی جا سکتی - "

- جناب ڈاکٹر ایس ممتاز حسین صاحب (فزلیشن) لاہور رقم طراز ہیں :-

" السلام علیکم ورحمۃ اللہ - آداب وتسلیمات کے بعد معروض ہے کہ گذشتہ رمضان المبارک میں اور اس کے بعد اب تک ٹی وی پر آپ کی تقاریر سے فیضیاب ہونے کی سعادت حاصل ہوتی رہی - ——— میں آپکے تبحرِ علم، رفعتِ فکر ونظر، وسعتِ مطالعہ ومعلومات اور طرزِ تخاطب سے بے انتہا متاثر ہوں - ہر چند ابتدائے سنِ شعور سے اب تک بیسیوں علماءِ کرام، مشائخ عظام اور واعظین والا تبار کے مواعظ حسنہ سے بالالتزام مستفید ہوتا رہا لیکن بحیثیتِ مجموعی میرا تاثر یہ ہے -

؎ ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے — کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

اور یہی تاثر ان سطور کی تحریر کو محرک ہوا - اس سلسلۂ تقاریر سے میں نے آپ سے بہت کچھ حاصل کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

- مولانا احمد عبدالرحمٰن صدیقی نوشہرہ سے راقم کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :

" مخدوم ومحترم عاشقِ کلامِ الٰہی حضرت ڈاکٹر (اسرار احمد) صاحب دامت برکاتہم کا بیسیہ کاران کے پُراثر اور دل میں اُتر جانے والے اندازِ دعوت رجوع الی القرآن کی عظیم تحریک برپا کر دینے کی وجہ سے عقیدت مند ہے - اپنے شیخ ومرشد قطب العالم حضرت العارف المفسر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جس کتابِ زندہ کے عظیم مبلغ ومناد تھے اور جس انداز سے پوری قوت کے ساتھ اُسے پیش فرمایا کرتے تھے اسی کی جھلک مجھے محترم ڈاکٹر صاحب کے مضبوط انداز میں محسوس ہوتی ہے کہ کلام اللہ کو دنیا کے سامنے ان تمام مسائل کا علاج ثابت کر کے بیان کیا جائے جن سے فی الوقت انسانیت دوچار ہے - اللہ تعالیٰ محترم ڈاکٹر صاحب کو نظر بد اور تمام مکارہ سے بچا کر سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مقبول ومبارک طریق پر اپنی کتاب کا خادم ومبلغ بنائے رکھے آمین بحرمت سید ناطٰہٰ ویٰسین صلی اللہ علیہ وسلم"

- جناب صابر حسین شاہ (پلانٹ پیتھالوجسٹ) ایگریکلچر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پشاور سے لکھتے ہیں :-

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ - میں آپکے ٹیلی ویژن پروگرام بہت ہی عقیدت سے دیکھتا ہوں اور اللہ کے کرم سے ان کے ذریعے میری معلومات اور ایمان میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس مادیت پرستی کے دور میں بھی توحید کی شمع روشن ہے اور قرآن کی تفہیم کا کام آپ جیسے دین و دنیا کے علوم کے ماہر سے لے رہا ہے"

و جناب ڈاکٹر محمد یعقوب بھٹی لاہور سے رقمطراز ہیں:-

"پچھلے دنوں ٹیلی ویژن پر آپ کا سورہ فاتحہ کا روح پرور درس ہم سب گھر والوں نے سنا اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن کی دعوت پیش کرنے کے لئے مزید ہمت اور توفیق عطا کرے اور پاکستان کے مسلمانوں کو صراط مستقیم پر چلنے اور قرآن کی تعلیمات کو اختیار کرنے کی توفیق دے - درس میں تشنگی کا احساس ہوا شاید اس کی وجہ وقت کی کمی ہو"

و جناب طاہر منظور (میڈیکل اسٹوڈنٹ) گوجرانوالہ سے اپنی پسندیدگی کا اظہار ان الفاظ سے کرتے ہیں:

"ٹی وی پر آپ کا پروگرام الھدیٰ پابندی سے سنتا رہتا ہوں - آپکے آسان و واضح اور مدلل و جامع اندازِ بیان نے دل پر بہت اثر کیا ہے - ایک بڑی بات یہ ہے کہ آپ دینی اور دنیوی دونوں علوم پر کما حقہ دسترس رکھتے ہیں پاکستان اور پورے عالمِ اسلام کو آپ جیسے داعیان کی اشد ضرورت ہے - اسی ذریعے سے نوجوان نسل میں مذہب سے جو بیگانگی پیدا ہو رہی ہے اس کا تدارک ہو سکتا ہے -"

---

"الھدیٰ" کے مستقل پروگرام کے علاوہ رمضان المبارک میں پاکستان ٹی وی کے تمام اسٹیشنوں سے "القرآن" کے عنوان پر روزانہ دس بارہ منٹ کا ایک پروگرام پیش کیا گیا تھا جس میں مختلف علمائے کرام اور دانشوران نے مختلف موضوعات پر تقاریر کی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کو بھی اس میں دو تقاریر کا موقع دیا گیا تھا - جس میں موصوف نے ایک تقریر "قرآن اور رزق حلال" کے موضوع پر بھی کی تھی - جس کو ٹی وی والوں نے مکرر بھی نشر کیا - اس تقریر کے متعلق ملک کے موقر ہفت روزہ "اخبارِ جہاں" کے جناب حبیب الرحمٰن

صاحب اور ملک کے کثیرالاشاعت ومقبول روزنامے جنگ کے مشہور ومعروف کالم نویس اور کہنہ مشق صحافی جناب انعام درّانی نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ۔ وہ بھی قارئین میثاق کے استفادے کے لئے درج ذیل ہیں ۔(ج۔ر)

## "اسلام جزوی نہیں مکمل اطاعت کا طلبگار ہے"

"اخبار جہاں" کے مستقل عنوان "اسلام آباد کی ڈائری" کا اقتباس

"اسلام جس صاف ستھرے وپاکیزہ اور حسین وجمیل معاشرے کا تصور پیش کرتا ہے اس کی تشکیل وقیام کے لئے اسلام کے سارے احکام کا بہ یک وقت اور کلّی نفاذ ناگزیر ہے ۔ اس بارے میں ارشادِ خداوندی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام جزوی نہیں بلکہ کلی اطاعت چاہتا ہے اور ان لوگوں کے لئے دنیا میں ذلت اور آخرت میں سخت عذاب ہے جو اسلام کی تعلیمات کو جزوی طور پر اپنا کر ان کی مجموعی شکل وصورت کو مسخ کر دینے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اس سلسلے میں ہم میں سے جن لوگوں کے ذہن ابھی تک صاف نہیں وہ وطنِ عزیز کے صد احترام ، دانشور، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ان بصیرت افروز تقاریر سے استفادہ کر سکتے ہیں جن کی مدلّل تقریروں سے ٹیلی ویژن کے درد مند ناظرین وسامعین کی ماہ رمضان کے دوران اسلام کے صحیح مفہوم کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی ہے ۔ ہماری وزارت اطلاعات ونشریات اگر ڈاکٹر صاحب موصوف کی مذکورہ تقاریر کو ایک کتابی شکل میں شائع کرنے اور اُس مجموعہ تقاریر کو تمام سرکاری افسروں تک پہنچانے کا اہتمام کر دے تو یہ ایک بہت بڑی خدمت ہوگی ۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے ارباب اختیار کے سارے نیک عزائم کے باوجود ایک صحیح اسلامی معاشرے کی تشکیل کی سمت میں ہم اب تک کوئی قابلِ رشک پیش قدمی اس لئے نہیں کر پائے ہیں کہ ہماری نوکر شاہی کے وہ ارکان جنہیں اسلامی نظام کے نفاذ کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں ۔ انہیں غالباً اسلام کے احکام کے مجموعی تقاضوں کو سمجھنے کے لئے مطلوبہ فرصت نہیں ملی ہے ۔ ورنہ یہ ممکن ہوتا کہ نماز کی ادائیگی کے اولیں فرض کا ساری قوم کو پابند بنانے کے لئے سرکاری سطح پر اتنی ہی مستعدی دکھائی جاتی جتنی کہ وصولی زکواۃ کے ضمن میں دکھائی گئی ہے .....

قارئین محترم ! ان ساری گزارشات کا مقصد صرف اس ایک بنیادی حقیقت

کی یاد دہانی ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں سے کلی اطاعت چاہتا ہے - اور کلی اطاعت کے ذریعے ہی ہم وہ نتائج حاصل کر سکتے ہیں جن سے ہمارا یہ دعویٰ درست ثابت ہو سکتا ہے کہ اسلام کا عطا کردہ نظام ہی دنیا کا سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ و ارفع نظام ہے - لہٰذا بہتر ہوگا کہ ہم اسلام کی مکمل اطاعت کا صدق دل سے فیصلہ کر لیں اور اتنی احتیاط برت لیں کہ ہمارے قول و فعل میں کسی تضاد سے اسلام کا تقدس مجروح نہ ہونے پائے"۔

"تلخ و شیریں" (روزنامہ جنگ) کا ایک اقتباس

"عید سے چند روز پہلے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خدا ان کی عمر دراز کرے کہ ہم جاہلوں کی فہم کے دائرہ کا صحیح اندازہ فرما کر رشد و ہدایت کا ابلاغ فرمایا اور اللہ کے عطا کئے ہوئے رزق کی تعریف بیان فرمائی ہے - یہ تعریف اتنی واضح تھی کہ اگر اس نوع کے رزق پر روزے کا افطار لازم ہو تو لاکھوں روزے افطار کی سعادت سے محروم رہ جائیں -

بھوکا پیاسا تو ہر وہ شخص رہ سکتا ہے جس کے جسم میں توانائی ہے - مگر افطار کی یہ شرط اس رزق پر نہ ہو جو ابلیسی ذرائع سے حاصل کیا جاتا ہے بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے پاک صاف حلال رزق کا جزو ہے - روزے کو خالص انسانیت نواز جہاد کے مرتبے تک پہنچا دیتی ہے -"

---

۱۵ جولائی کی اشاعت میں روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والے تبصرے کا اقتباس حسب ذیل ہے -

"ڈاکٹر اسرار احمد کا نام درس قرآن کے سلسلے میں خاصی شہرت رکھتا ہے - ٹی وی سے "الف لام میم" جیسا مقبول پروگرام پیش کر چکے ہیں - آج کل "الھدیٰ" نامی پروگرام میں قرآن اور قرآن فہمی کے موضوعات پر نہایت دلنشیں انداز میں درس دیتے ہیں - آپ نے قرآن کے پانچ حقوق بتائے ہیں جس میں قرآن سیکھنا، قرآن پڑھنا (قرأت کرنا) قرآن سمجھنا، قرآن پر عمل کرنا، قرآن کا پیغام دوسروں تک پہنچانا شامل ہیں - اس بار انہوں نے الھدیٰ میں "شرک" کے موضوع پر مدلل اور بصیرت افروز خیالات کا اظہار کیا"

۲۷ ، اگست جمعرات کو نماز مغرب ڈاکٹر صاحب کی تیسری بچی کا عقد نکاح جامع القران[1] میں منعقد ہوا - اس تقریب کے سلسلے میں ملک کے نامور صحافی جناب م - ش نے اپنے مقبول و معروف کالم "م - ش کی ڈائری" میں نوائے وقت کی ۳۰ ، اگست ۸۱ ، کی اشاعت میں جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ درج ذیل ہیں پاکستان ٹائمز میں اس تقریب کی جو رپورٹ شائع ہوئی ہے وہ ٹائٹل کور کے تیسرے صفحے پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے - (ج - س)

## ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے

ایک ٹن وعظ کے مقابلے پر ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے - اس اصول کا عملی مظاہرہ گزشتہ جمعرات کو دارالقرآن ماڈل ٹاؤن (لاہور) میں اس وقت ہوا - جب مشہور عالم دین اور مفسر قرآن ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی بیٹی کی شادی کی جملہ تقریبات کا عین سنّت نبویؐ کے مطابق انجام دے کر ایک عملی مثال قائم کی - میں نے ڈاکٹر اسرار احمد کے ہزاروں کی تعداد میں مواعظ حسنہ میں شرکت کی ہے - لیکن اس موقع پر میری رُوح نے ان کی تقریر دل پذیر کے جو اثرات قبول کئے وہ انمٹ تھے -

نماز مغرب کے وقت مسجد کا ہال حاضرین سے کھچا کھچ بھرا تھا - امامت کے فرائض ڈاکٹر اسرار احمد نے انجام دیئے - قرآن پاک کی آیات مبارکہ تلاوت کرنے میں ان کے لحن میں سوز داؤدی ابھر آیا تھا - نماز سے فارغ ہوئے تو ایک مختصر تقریر میں جہیز اور ولیمہ کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا - پھر خطبہ نکاح پڑھا اور بس انکی بیٹی سلمہا بیاہی گئیں اور یہ تقریب درود و صلوٰۃ کے درمیان اختتام پذیر ہوئی -

ہمارے ہاں شادی، بیاہ، موت اور ختنہ وغیرہ کی تقریبات ایک ہنگامۂ ایک مسلسل دردسر اور اسراف بیجا کا نشان بن چکی ہیں - ہزاروں مساجد، ریڈیو اور ٹیلیویژن سے کم و بیش روزانہ امام صاحبان اور مقرر حضرات اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ان تقریبات سے متعلق بدعتوں کے خلاف دھواں دھار تقاریر کرتے ہیں - لیکن عمل کے لحاظ سے کوئی شخص ٹس سے مس نہیں ہوتا، ہنگاموں، دردسر

---

[1] صحیح نام جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ہے (ب)

اور اسرافِ بیجا کا عمل غیر مختتم طور پر جاری رہتا ہے لیکن پاکستان میں کم از کم ایک بندۂ خدا نے قول و فعل کے تضاد سے بچتے ہوئے ایک ایسی مثال قائم کی ہے کہ میں دُعا کرتا ہوں کہ اس پہ گامزن ہونے کی ہر پاکستانی کو توفیق ارزاں ہو - آمین -

ڈاکٹر اسرار احمد خدا کے فضل و کرم سے بھلے چنگے کھاتے پیتے آدمی ہیں اگر وہ چاہتے تو اپنی بیٹی کی شادی کی تقریب پر ڈھول ڈھمکے، باجے گاجے آتشبازی اور بجلی کے قمقموں کا جس پیمانے پر چاہتے اہتمام کر سکتے تھے - ان کے ایسے نیازمند ہیں جو ان کے ایک ادنیٰ اشارے پر کھانے پینے کے لئے ہر قسم کی پُرتکلف اشیاء فراہم کر سکتے تھے لیکن اس بابرکت تقریب میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے سنتِ نبویؐ سے سرِمو انحراف نہ فرمایا اور یہ تقریب اس حسن و جمال خیر خوبی سے اختتام پذیر ہوئی کہ اس کا لطف زندگی بھر فراموش نہ ہو سکے گا -

ہمارے معاشرے میں بیشمار بیٹیاں ایسی موجود ہیں جن کے ہاتھ پیلے اس لئے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے والدین میں ڈاکٹر اسرار احمد کے ایمان کا جذبہ موجود نہیں گھروں پر بیٹھے بیٹیاں بوڑھی ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کے والدین باراتیوں کے شایانِ شان استقبال اور جہیز کے تکلفات سے عہدہ برآ ہونے کی سکت نہیں رکھتے - یہ ایک گھمبیر سماجی مسئلہ بن چکا ہے - کیا محلوں کی مسجدوں کے امام صاحبان اور دوسرے اہلِ درد لوگ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کتابِ زندگی سے ایک ورق مستعار لے کر اس المناک سماجی مسئلہ کے حل کے لئے عملی اقدام اٹھانے کا سوچیں گے ؟

---

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ - قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

# اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ

عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ

قسط ۳

## ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ

# جنوبی ہند میں پندرہ دِن

ایک رپورتاژ

ازقلم :۔ قاضی عبدالقادر

**۱۷ر جنوری (ہفتہ)** پروگرام کے مطابق آج ہمیں آمبور، وانم باڑی اور ویلور کے لئے روانہ ہونا تھا - جہاں سے کل ہماری واپسی ہے - اس وجہ سے احاطۂ مسجد والا جاہی کے جلسہ میں آج رات ڈاکٹر صاحب کی تقریر نہیں ہوسکتی تھی - ڈاکٹر صاحب نے کل مولانا سیّد صبغۃ اللہ بختیاری صاحب سے فرمایا کہ آج کے جلسہ میں وہ تقریر فرما دیں جسے مولانا نے بکمالِ محبت منظور فرما لیا۔

ساڑھے نو بجے ہم لوگ کار میں روانہ ہوئے - ڈاکٹر صاحب اور میرے علاوہ تین حضرات اور تھے - مولوی عبدالجمیل صاحب اُن کے بھتیجے مولوی عبدالباقی صاحب اور نذیر احمد صاحب -

مدراس سے ویلور (جو ضلعی صدر مقام ہے) نوّے میل دُور ہے - جہاں سے آمبور کا فاصلہ تیس میل ہے - سڑک بہت اچھی ہے اور راستہ کے مناظر نہایت دلفریب -

راستہ میں ایک جانور کے ریوڑ کے ریوڑ چرتے دیکھے جو بکری اور بھیڑ سے مشابہ تھا - معلوم ہوا کہ اسے یہاں پر "پوٹلا" کہتے ہیں اور یہ بکری اور بھیڑ کی CROSS — BREEDING ہے - مدراس میں ڈاکٹر صاحب کو گوشت بہت پسند تھا، وہ اس کی بہت تعریف کرتے تھے - معلوم ہوا کہ وہ گوشت "پوٹلا" کا ہوتا تھا جبھی اتنا لذیذ ہوتا تھا -

والا جاہ پیٹ کے پاس سے گذرے تو پہاڑی سلسلہ شروع ہوگیا - ایک

پہاڑی کو دیکھ کر تو "جبلِ نور" کا گمان ہوتا تھا۔ شکل بالکل ویسی ہی تھی۔ والاجاہ پیٹ سے سڑک کے دو حصے ہو جاتے ہیں۔ ایک بنگلور کو جاتی ہے اور دوسری ویلور کو۔ سامنے آندھیرا پردیش کا پہاڑی سلسلہ نظر آتا ہے۔ یہاں پر متعدد ٹیریز ہیں۔ والاجاہ پیٹ کے بعد ندی کا پُل آتا ہے جس کے فوراً بعد ایک وسیع باغ۔ کہتے ہیں کبھی اِس باغ میں نولاکھ درخت ہوتے تھے۔ والاجاہ پیٹ کے بعد آرکاٹ (ARCOT) کا قصبہ آیا۔ تاریخ میں آرکاٹ کے نوّاب مشہور رہے ہیں۔

حضرت سلطان ٹیپو شہید کی شہادت کے بعد جنوبی علاقوں کی مستقل غلامی ایک المناک حادثہ ہے۔ اس حادثہ کے بعد میسور کی حکومت کا وسیع علاقہ انگریزی اقتدار کے بَل پر دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ حکومتِ نظام اور نوّابانِ آرکاٹ نے اپنے اقتدار کے تحفّظ کا سامان کرلیا۔

کسی زمانہ میں آرکاٹ شہر میں ۳۶۰ مساجد ہوتی تھیں جو سال کے ایک ایک دن کے حساب سے بنائی گئی تھیں آج ان میں سے اکثر یا تو زمین کے اندر دفن ہو چکی ہیں یا غیروں کے قبضہ میں آکر اُجڑ چکی ہیں۔

آرکاٹ کے بعد میل وشارم آیا یہ ایک مشہور قصبہ ہے جو مسلمانوں کی پندرہ ہزار آبادی پر مشتمل ہے۔ جو کُل آبادی کا نوّے فی صد ہے۔ اس قصبہ میں مسجدیں بہت بڑی تعداد میں ہیں اور بہت اچھی بنی ہوئی ہیں۔ یہاں مسلمانوں کا ایک کالج ہے۔ عبدالحکیم کالج کے نام سے۔ اس کے علاوہ مدرسہ منبع الحسنات اور مدرسۂ نسواں بھی ہیں۔

میل وشارم سے ویلور تک پہاڑی سلسلہ سڑک کے قریب آگیا ہے۔ ویلور پہنچ کر گاڑی رُکی اور ہم لوگ ایک قبرستان میں داخل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ یہ سُلطان ٹیپو شہید کی بیگم کے ننھیال کا قبرستان ہے۔ سُلطان ٹیپو شہید کا خیال کیا آیا کہ ؎

ایک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے!

ایک پوری تاریخ آنکھوں میں گھوم گئی۔ "شیر کی ایک لمحہ کی زندگی گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے" ـــــ اور شیر بھی ایسا کہ جس نے انگریزی اقتدار کو ہلا ہلا دیا ـــــ اگر خود اُن کے کلمہ گو ساتھی غدّاری نہ کرتے تو شاید ہندوستان

کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا - ہائے ؎

تاباں تھیں جن سے غمکدۂ جاں کی وسعتیں
پلکوں پہ وہ چراغ سر شام بجھ گئے

آزادئ ہند کے مجاہد اوّل اور نواب حیدر علیؒ کے جاں باز فرزند ارجمند سلطان شہیدؒ نے ایک طرف انگریزوں کے بظاہر دشمن مرہٹوں کے خلاف اپنی فوج کو صف آرا کیا تو دوسری طرف مسلمانوں کے کھلے دشمن انگریزی فوج کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کی بھرپور جدوجہد شروع کی ـــــ لیکن ـــــ "اور تلوار ٹوٹ گئی" ـــــ اور اس کے بعد ہم عرصۂ دراز تک غلامی کے شکنجے میں کس لئے گئے ؎

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا تیرے بعد

ـــــ اور ـــــ

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دیوانہ اٹھ گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

سلطان شہید کے جوش و جذبہ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں - بس ہم یہی کہہ سکتے ہیں ؎

بناکردند خوش رسمے، بہ خاک و خون غلطیدند
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

قبرستان میں ہم نے سلطان شہید کی بیگم اور ان کے خاندان کی قبروں پر فاتحہ پڑھی - سلطان شہیدؒ کی بیگم کے مزار پر یہ اشعار کندہ تھے -

زدنیا زوجہ سلطان والا — چو بر تخت ارم شد مسند آرا
سروشم گفت سال نہضت او — رواں شد بادشہ بیگم جناں را

۱۲۵۰ھ

بیگم حیدر علیؒ کے مزار پر یہ اشعار لکھے تھے :-

چوں زدنیا بخشی بیگم جہت جنت شد وداع
بہر تاریخیں او ہاتف بگفت از درد - آہ
سال گیند زیب غرّا سال رحلت ایں بگو
زیب جنت زوجہ حیدر ام سلطان بادشاہ
۱۲۱۹ھ

قبرستان کے اندر ایک باؤلی بھی تھی جسے یہاں کی زبان میں "گنٹا" کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ قبرستان اور باولی کی حالت بہت خستہ ہو گئی تھی۔ اب اس کی طرف توجہ دی گئی ہے۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک کمیٹی قائم ہے جس کے چیئرمین ہمارے مولوی عبدالجمیل صاحب ہیں۔ چنانچہ چیئرمین مولوی عبدالجمیل صاحب نے ہمیں درختوں کے نیچے ایک کھلی جگہ پر بنچوں پر بٹھایا۔ یہاں پر پپیتے کے بہت سے درخت ہیں۔ تھوڑی دیر میں ہمارے سامنے بہت سے پپیتے آگئے۔ جو نہایت ہی شیریں تھے۔ کراچی میں پپیتے کھاتے ہیں لیکن ایسے شیریں پپیتے ہم نے پہلے کبھی نہیں کھائے۔ جی بھر کر کھائے۔ میرا تو الحمدللہ معاملہ ٹھیک رہا لیکن ڈاکٹر صاحب کے پیٹ میں بعد میں اس سے تکلیف ہو گئی۔ اس لئے کہ پپیتا کچھ نہ کچھ کھانے کے بعد کھانا چاہیئے اور یہاں ان کا پیٹ تقریباً خالی تھا۔ پپیتے کھانے کے بعد جب ہم وہاں سے رخصت ہونے لگے تو ڈاکٹر صاحب نے اس بات کا اطمینان کر لیا کہ کہ باغ کے کارکن کو پپیتے کے پیسے دیدئے گئے ہیں۔

قبرستان سے رخصت ہوتے وقت سرنگاپٹم بہت یاد آرہا تھا۔ کاش کہ وہاں پہنچ جاؤں اور سلطان شہید کی قبر پر فاتحہ پڑھ سکوں لیکن ویزا کی پابندیاں حائل تھیں۔ آنکھیں اشکبار تھیں اور بار بار یہ اشعار ذہن میں چکر لگا رہے تھے جیسے سلطان شہید کی رُوح اپنے بیٹے کو نہیں مجھے وصیت کر رہی ہو اُمت کے ہر اُس فرزند کو کہ جس کے جسم میں گرم گرم خون ہے اور جس کے دل میں صداقت کیلئے مرنے کی تڑپ ہے، وصیت کر رہی ہو۔

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جُوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز گرمیٔ محفل نہ کر قبول

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیلؑ نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول
باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

قبرستان سے تھوڑا آگے بڑھ کر کرسچن میڈیکل کالج ہسپتال (C.M.C HOSPITAL) کی عظیم عمارت ہے۔ معلوم ہوا کہ جنوبی ہند کا یہ سب سے بڑا ہسپتال ہے۔

ہمارے ویزا میں آمبور کا مقام درج تھا لیکن چونکہ ضلعی مقام ویلور ہے اس لئے ہمیں یہیں پر D.I.O آفس میں اپنی آمد درج کرانی تھی۔ آفس کا پتہ معلوم کیا تو کسی نے بتایا کہ قلعہ کے اندر ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا پرانا قلعہ ہے۔ جس کے چاروں طرف گہری کھائی ہے۔ ہم قلعہ کے اندر آفس گئے۔ وہاں سے پتہ چلا کہ پاکستانیوں کی آمد کا اندراج ایک دوسرے دفتر میں ہوتا ہے۔ وہاں پہونچے۔ تو متعلقہ کارکن نے کہا کہ اندراج یہاں پر نہیں بلکہ آمبور میں ہوگا۔ مجھے شمالی ہند کا تجربہ تھا کہ اندراج ہمیشہ ضلعی صدر مقام میں ہوا کرتا ہے متعلقہ کارکن کو بتایا بھی لیکن وہ کسی طرح ماننے کو تیار نہ تھا۔ اُس سے کہا اپنے افسر سے معلوم کر لو لیکن وہاں سے بھی یہی جواب تھا۔ مجبوراً ہم وہاں سے آمبور کے لئے روانہ ہوگئے۔

انیکا عبدالشکور مرحوم مدراس کی ایک مشہور شخصیت تھے چمڑے کے چند بڑے تاجروں میں سے ایک تھے۔ خدمتِ خلق اور دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے۔ ابھی پچھلے سال ہی اُن کا انتقال ہوا ہے۔ اللہ تعالےٰ اُن کی نیکیوں کو قبول فرمائے۔ اُن کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین۔ اُن کی کئی مقامات پر ٹینریاں ہیں۔ ایک ٹینری ویلور میں بھی ہے۔ وہاں ہم تھوڑی دیر ٹھہرے۔ چائے وغیرہ سے ہماری تواضع کی گئی۔ ویلور سے آمبور تک کے تیس میل کے علاقے میں پہاڑی سلسلہ جاری تھا۔ بقول ڈاکٹر صاحب یہ علاقہ اٹک سے اکوڑہ خٹک تک کے درمیانی علاقہ سے بہت مشابہ تھا۔

اب ہماری کار آمبور کے نواح میں داخل ہو چکی تھی ۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ یہاں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم مشرقی پاکستان کے کسی قصبہ میں داخل ہوئے ہوں۔ انیکار عبدالشکور مرحوم کی شاندار وسیع و عریض کوٹھی (بلکہ اسے محل کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا) میں ہمارے قیام کا انتظام تھا۔ جس بڑے کمرے میں ہم ٹھیرائے گئے وہ مہمان خانہ کا وہ حصہ تھا جہاں اکثر علماء دیوبند آکر ٹھیرتے ہیں ۔

آمبور کی آبادی تقریباً ستر ہزار ہے۔ جو نصف مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ بڑی بڑی صاف ستھری مساجد بنی ہوئی ہیں ۔

تھوڑا سا آرام کر کے ہم لوگ سب سے پہلے انیکار عبدالشکور مرحوم کے قائم کردہ اسکول کا معائنہ کرنے گئے۔ بہت وسیع رقبہ میں یہ اسکول قائم ہے ۔ ہمیں اسکول کے بہت سے حصوں کا معائنہ کرایا گیا ۔ ڈاکٹر صاحب اس کے حسنِ انتظام سے بہت متاثر تھے ۔ مرحوم کے لئے دل سے دعائیں نکلیں ۔

قیام گاہ کے قریب کی مسجد میں بعد نماز مغرب ڈاکٹر صاحب کی تقریر رکھی گئی تھی ۔ یہ خوبصورت مسجد جو مسجد محمد پورہ کہلاتی ہے ۔ انیکار عبدالشکور مرحوم کی تعمیر کردہ تھی ۔ ہال دالان اور صحن لوگوں سے پُر تھے اور بہت سے لوگ باہر کھڑے ہوئے تھے ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا موضوع تھا "نبی اکرمؐ کا مقصدِ بعثت"، لوگوں نے نہایت صبر و سکون سے تقریر سماعت فرمائی ۔

تقریر کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میرا اس وقت کا خطاب نبی اکرمؐ کے مقصدِ بعثت پر مشتمل تھا ۔ لیکن بات ابھی پوری نہیں ہوئی میں یہ بھی بیان کرنا چاہتا تھا کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے نبی اکرمؐ نے طریقِ کار کیا اختیار فرمایا۔ اب چونکہ وقت نہیں ہے اس لئے اسے ان شاء اللہ صبح فجر کی نماز کے بعد بیان کیا جائے گا تاکہ گفتگو کا حق کسی حد تک ادا ہو سکے ۔ چنانچہ وہیں پر مشورہ کے بعد یہ اعلان کیا گیا کہ فجر کی نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب کی تقریر چھوٹی مسجد میں ہوگی (جو یہاں سے کچھ فاصلہ پر ہے) تاکہ وہاں کے لوگ بھی ڈاکٹر صاحب کی تقریر سے مستفید ہو سکیں ۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کی وجہ سے نمازِ عشاء تاخیر سے پڑھی گئی ۔

نمازِ عشاء کے بعد ہم قیام گاہ پر واپس آئے ۔ پُر تکلّف دسترخوان ہمارا منتظر تھا ۔ دسترخوان پر بہت سے لوگ شریک تھے ۔ میرے ذہن میں یہ مصرع گردش کر رہا تھا ؎ ایک بندۂ عاصی کی اور اتنی مداراتیں

کھانے کے بعد لوگ ـــــ دیر تک ڈاکٹر صاحب سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے ۔ مختلف حضرات کو ڈاکٹر صاحب کی کتب کے سیٹ دیئے ۔ کچھ حضرات 'میثاق' کے خریدار بنے ۔ انیکار عبدالشکور مرحوم کے نوجوان صاحبزادے عزیزم شفیق احمد سلمہٗ نے خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ۔ یہ بہت ہی صالح نوجوان ہے ۔

مرحوم کے دونوں داماد اکبر صاحب اور ذکریا صاحب بھی موجود تھے جو خاطر مدارات میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لے رہے تھے ۔ اللہ تعالےٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے ۔ آمین ! رات گئے محفل برخاست ہوئی ۔ ڈاکٹر صاحب مسہری پر سوئے ۔ میرے لئے بھی مسہری کا انتظام کیا جا رہا تھا ۔ لیکن میں نے منع کر دیا اور نیچے قالین پر سویا ۔ ہم دن بھر کے تھکے ہوئے تھے ، کھانا لذیذ تھا اور خوب کھایا تھا اس لئے جلد ہی نیند نے آلیا ۔ نیند کے جلد آجانے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کے خرّاٹے سننے کی سعادت سے بھی محروم رہا ۔

مولوی عبدالجمیل صاحب اور مولوی عبدالباقی صاحب رات ہی کو اپنے گھر وانم باڑی چلے گئے تھے جو یہاں سے دس بارہ میل دُور ہے ۔ فجر کی اذان کا وقت ابھی نہیں ہوا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا ۔ میں سمجھا کہ میزبانوں میں سے کوئی ہے ۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ اس وقت مولوی عبدالجمیل صاحب "نازل" ہو گئے ۔ پوچھا ! مولانا رات یہیں کہیں تھے ۔ کہنے لگے ! نہیں ـــــ اپنے گھر وانم باڑی گیا تھا اور ابھی وہیں سے چلا آرہا ہوں ۔ یعنی آٹھ دس میل جانا اور پھر اتنے ترڈکے واپس آجانا ۔ مولانا سے چونکہ بے تکلفی ہو گئی تھی ۔ میں نے کہا ! مولانا آپ آدمی ہیں یا جن ۔ اس جملہ پر ڈاکٹر صاحب کی بھی آنکھ کھل گئی اور وہ یکدم اُٹھ بیٹھے جیسے واقعی کوئی جن گھس آیا ہو ۔

فجر کی نماز چھوٹی مسجد میں پڑھی ۔ فاصلہ اتنا تھا کہ کار میں طے کرنا پڑا ۔ نماز

کے بعد حسبِ اعلان ڈاکٹر صاحب کی تقریر نبی اکرمؐ کا طریقِ کار" کے موضوع پر ہوئی۔ اس مسجد میں نئے لوگوں کے علاوہ بہت سے وہ لوگ بھی تھے جو رات کی محمد پورہ کی مسجد کی تقریر میں حاضر تھے اور یہاں پر صبح خاصی دُور دُور سے آئے تھے۔

تقریر کے بعد قبرستان گئے اور انیکار عبدالشکور مرحوم کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ وہاں سے نذیر احمد صاحب کے گھر پر چائے پی۔ اُن کے بھائی بشیر احمد اور صاحبزادے نیاز احمد بھی موجود تھے۔ اس چائے (جس کے ساتھ بھی بہت کچھ تھا) کی حیثیت "نزول" کی تھی کیونکہ ہمیں پروگرام کے مطابق ناشتہ واتم باڑی جاکر کرنا تھا۔

ایک بات بتانا بھول گیا۔ کل جب ہم لوگ آمبور پہنچے تو اپنے پاسپورٹ اور ویزا ایک صاحب کو دیکر C.I.D آفس بھیجا۔ وہاں متعلقہ کارکن سے جب ملے تو اُس نے کہا کہ اس کا اندراج ضلعی صدر مقام ویلور میں ہوگا۔ اب اُس سے کہا گیا کہ وہاں تو ہم ہو آئے ہیں اُن کا کہنا ہے کہ نہیں، آمبور میں اندراج ہوگا لیکن یہاں کا متعلقہ کارکن کسی صورت میں ماننے کو تیار نہیں تھا۔ اُس سے کہا گیا کہ تم اس بات کو لکھ کر دیدو تاکہ ہم ویلور میں بتا سکیں لیکن وہ لکھنے پر بھی تیار نہیں تھا۔ یہ صورتحال جب ہمیں بتائی گئی تو تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی۔ تعجب اس بات پر کہ C I D کے دفتر کے متعلقہ حضرات طریقِ کار سے صحیح واقفیت تک نہیں رکھتے اور ہمیں بلاوجہ پریشان کر رہے ہیں۔ اور افسوس اس بات کا کہ ہم اس ملک میں مہمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن یہ C I D آفس کے چکر اس طرح لگانے پڑ رہے ہیں کہ آمد بھی لکھائے اور اخراج بھی جیسے ہم کوئی بستہ الف کے مجرم ہوں ـــــ اب صورت یہ تھی کہ ہم دوبارہ ویلور جائیں جو یہاں سے نیس میل دُور ہے اب اگر وہاں کا متعلقہ کارکن پھر اپنی بات پر اَڑا رہا جس کا بہرحال پُورا امکان تھا تو ہم کیا کریں گے۔ اور بغیر اندراج کرائے ہم ان علاقوں سے واپس بھی نہیں جاسکتے تھے۔ عجیب سی پریشانی تھی۔ کیا چکی کے اِن دو پاٹوں کے درمیان پسنا ہماری قسمت میں لکھا تھا۔ ہمارے میزبان بھی اس صورت حال سے کچھ پریشان سے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھتا تھا تو وہ ایسے مطمئن تھے جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ ہو قیام گاہ سے سامان سمیٹ کر اور میزبانوں سے رخصت ہوکر ہم لوگ آٹھ بجے دائم باڑی کے لئے روانہ ہوگئے۔

تھوڑی سی دیر میں وہاں پہنچ گئے۔ پٹن حاجی خلیل الرحمٰن صاحب کے مکان پر ناشتہ ہمارا منتظر تھا۔ قصبہ کے تمام سربرآوردہ حضرات وہاں جمع تھے ناشتہ اور اس کے بعد مختلف مسائل پر ڈاکٹر صاحب کے ساتھ تبادلۂ خیالات ہوا۔

ناشتہ میں ایک صاحب سامنے بیٹھے تھے بالکل ہمارے بھائی عبدالخالق صاحب کی صورت۔ میں نے آہستہ سے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ بھائی عبدالخالق بیٹھے ہیں۔ فرمانے لگے کدھر؟ میں نے اشارہ کیا تو ہلکے سے مسکرا دیئے۔ پاکستان واپس آکر جب میں نے بھائی عبدالخالق سے اس کا تذکرہ کیا تو برملا کہنے لگے کہ ہاں واقعی میں نے اپنی رُوح کو وہاں ناشتہ کرنے بھیجا ہوا تھا۔

ناشتہ پر ایک مولوی صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے جماعت اسلامی کے موضوع پر گفتگو چھیڑ دی۔ وہ جماعت کے شدید مخالفین میں سے تھے۔ ڈاکٹر صاحب سے جماعت سے استعفیٰ کی وجہ معلوم کی۔ ڈاکٹر صاحب نے مختصراً اس کی وجہ جماعت کی عجلت پسندی اور جلد بازی کو قرار دیا۔ اُس کے بعد اُن صاحب نے "جلدی" اور "جلد بازی" کے الفاظ پر بحث چھیڑ دی۔ ڈاکٹر صاحب نے ان الفاظ کا فرق بیان فرمایا۔ اس سلسلہ میں حضرت یونسؑ کی مثال بھی بیان فرمائی کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے حکم آئے بغیر انہوں نے جلد بازی سے کام لیا اور اپنی اُمت کو چھوڑ کر چلے گئے جس کا خمیازہ انہیں بعد میں بھگتنا پڑا۔

وانم باڑی کی آبادی تقریباً ساٹھ ہزار ہے جس میں مسلمان لگ بھگ چالیس ہزار ہیں۔ محلہ واری تنظیم کے ساتھ یہاں پر اکیس مساجد ہیں۔ یہ بڑا مردم خیز قصبہ ہے۔ اور اسے تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ انگریزی اقتدار کے خلاف ملک کے جس خطہ سے بھی تحریک نمایاں ہوئی تو اس شہر نے مکمل طور پر اس کا ساتھ دیا اور اپنے ایثار و عالی ظرفی کا ثبوت پیش کیا۔

ناشتہ اور تبادلۂ خیالات سے فارغ ہو کر ڈاکٹر صاحب مدرسۂ نسواں کے معائنہ کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ بہت بڑا مدرسہ ہے جس میں تقریباً نو سو لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ اسے انجمن خیر خواہ عام چلاتی ہے جو ۱۹۰۶ء میں قائم ہوئی تھی۔ مولوی خطیب محمد عبید اللہ صاحبؒ کی تحریک پر مدرسۂ نسواں کا

قیام ۱۹۱۰ء میں عمل میں آیا۔ اور مولانا عبدالمجید خاں پنگنوری خلیفہ مجاز حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی محنت شاقہ سے پروان چڑھا۔

مدرسہ کے ساتھ ایک وسیع دارالاقامہ بھی ہے۔ یہاں پر پردہ اور شعائر اسلام کی سخت پابندی کرائی جاتی ہے۔ آج کل مدرسہ کے ناظم مولانا الحاج ٹی۔ عبدالرحمٰن صاحب باقوی ہیں۔ محترمہ آمنہ حاجی محمد ابراہیم مدرسہ کی جنرل سیکریٹری ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مدرسہ کی لائبریری اور دیگر شعبہ جات کا معائنہ فرمایا۔ ناظم مدرسہ نے ہمیں ایک کمرہ میں بٹھا دیا۔ برابر کے کمرہ سے (پردہ میں طالبات نے اردو، عربی اور انگریزی میں تقاریر کیں۔ جس سے ہم لوگ بہت متاثر ہوئے۔ اس مدرسہ کی شہرت دُور دُور ہے اور یہاں کی فارغ شدہ طالبات نے جنوبی ہند کے دیگر مقامات پر اسی طرز پر لڑکیوں کے مدرسے کھول لئے ہیں جہاں پر دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ مدرسہ کے رجسٹر میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے تاثرات تحریر فرمائے۔ اس مدرسہ میں ملک کے متعدد اکابر علماء کرام اور رہنمایانِ ملّت کی تشریف آوری ہو چکی ہے۔ مثلاً حضرت بی اماں صاحبہ مرحومہ والدۂ ماجدہ علی برادران مولانا شوکت علی مرحوم، مولانا ظفر علی خاں مرحوم، مولانا حسرت موہانی مرحوم مولانا سیّد حسین احمد مدنی، مولانا احمد سعید، ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم مولانا سیّد داؤد غزنوی، مولانا سیّد سلیمان ندوی، مولانا آزاد سبحانی، نواب بہادر یار جنگ مرحوم، مولانا عبدالحیّ فاروقی مرحوم، مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا سید اسعد مدنی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب وغیرہ۔ ان سب حضرات نے مدرسہ کے معائنہ کے بعد رجسٹر پر اپنے تاثرات درج فرمائے تھے۔ مدرسہ کے معائنہ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے یہاں مختصر خطاب فرمایا اور طالبات کو مفید نصیحتیں کیں۔

یہاں سے فارغ ہو کر ہم لوگ مدرسہ معدن العلوم گئے۔ یہ پچانوے ۹۵ سال پرانا مدرسہ ہے۔ خاصی بڑی عمارت ہے۔ ایک ہی شخصیت یعنی حاجی عبدالرحیم صاحب مرحوم کی امداد سے قائم ہوا۔ اور وہی اسے بہت عرصہ تک تن تنہا چلاتے رہے۔ اس وقت یہ ایک ٹرسٹ کے زیر انتظام ہے اور اس کے ناظر مولوی

ولی اللہ صاحب ہیں - ایک سو کے قریب طلباء زیر تعلیم ہیں - مولانا رشید احمد گنگوہیؒ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے فیض یافتہ اساتذہ اس میں کام کر چکے ہیں -

ہم جب پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر باقاعدہ جلسہ کا انتظام تھا - طلباء و اساتذہ ہال میں بیٹھے ہوئے تھے - ان حضرات نے پروگرام تو بہت بڑا بنایا تھا لیکن چونکہ ہمیں سی - آئی - ڈی آفس بند ہونے یعنی ایک بجے سے قبل ویلور پہنچنا تھا اس لئے پروگرام کو مختصر کرنا پڑا - خیر مقدمی کلمات اور نعت وغیرہ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے نصف گھنٹہ کی مختصر تقریر فرمائی جس میں اُن آیات کا مختصر بیان کیا جو ابتدائی چار وحی عام پر کہی جاتی ہیں - یہ بیان عام فہم انداز میں کیا گیا تاکہ طلباء سمجھ سکیں -

ڈاکٹر صاحب کی تقریر شروع ہونے کے بعد میں نے طبیعت مضمحل سی محسوس کی اور باہر آکر کار کا دروازہ کھول کر ہوا میں بیٹھ گیا اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مونچھوں والے صاحب میرے پاس آکر رکے اور سرگوشی کے سے انداز میں مجھ سے پوچھا کہ یہ کون صاحب تقریر کر رہے ہیں - ——————

—— میں نے ڈاکٹر صاحب کا نام بتایا - اُس کا انداز ایسا تھا جیسے کہ یہ بات اُسے معلوم ہو صرف تصدیق کرنا چاہتا ہو - مجھے کچھ شبہ سا ہوا یہ بات کر کے وہ شخص ایک طرف جا کر کھڑا ہو گیا - تھوڑی دیر میں ایک اور صاحب میرے پاس آئے - کہنے لگے جانتے ہو یہ شخص کون تھا ؟ میں نے کہا نہیں کہنے لگے C.I.D کا آدمی ہے - جو یہاں پر ڈاکٹر صاحب کی تقریر نوٹ کرنے —— آیا ہے - معلوم ہوا کہ جیسے ہی ہم ویلور سے چلے ہیں - C I D سائے کی طرح ہمارا پیچھا کرتی رہی ہے - مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں "کچھ" ہو نہ جائے - اس کی دو وجوہات تھیں - ایک تو یہ کہ وائم داڑی ہمارے ویزا میں شامل نہیں تھا - اور آئے بھی خاموشی سے نہیں "بابانگ دھل" تھے - اور دوسرے یہ کہ ہندوستان یا پاکستان میں دوسرے ملک سے آنے والے شہری کو اگر کہیں تقریر کرنی ہو تو اس ملک کی مرکزی حکومت سے اس کی اجازت لینی پڑتی ہے - اس کے بغیر خطاب کرنا جرم ہے —— اور یہاں وائم باڈی میں یہ دونوں کام "دھڑلے" سے ہو رہے تھے - اب مجھے خدشہ ہو تو کیوں نہ ہو ! - بہر حال اللہ کا شکر ہے کہ ہم خیریت سے رہے -

مدرسہ معدن العلوم کے ایک استاد جناب نازش حیدرآبادی کی مدراس میں ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہو چکی تھی۔ یہاں مدرسہ میں پھر ملاقات ہوئی۔ اچھے شاعر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر سے قبل موصوف نے ڈاکٹر صاحب کی تشریف آوری پر اپنا تحریر کردہ "نغمۂ ترحیب" ترنم سے پڑھ کر سنایا جس نے جلسہ میں سماں باندھ دیا۔ ڈاکٹر صاحب کی قصیدہ خوانی یا اُن کے لئے نغمۂ ترحیب کو ہم اچھا نہیں سمجھتے اور قارئین میثاق، جانتے ہیں کہ ایسی چیزوں کو ہم نے کبھی "میثاق" میں جگہ نہیں دی۔ لیکن اب جبکہ یہ رپورتاژ تحریر کیا جا رہا ہے اور واقعات نگاری کی جا رہی ہے اور چیزوں کو اس طرح پیش کیا جا رہا ہے جیسی کہ وہ تھیں تو نامناسب نہ ہوگا کہ اس کو بھی من وعن شائع کر دیا جائے۔ چاہے یہ مکروہ کے درجہ ہی میں کیوں نہ ہو۔

تو لیجئے میرے پیارے قارئین کرام! نغمۂ ترحیب پیشِ خدمت ہے۔

باسمہٖ تعالیٰ

## "نغمۂ ترحیب"

بموقعہ ورودِ مسعود عالی جناب محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دامت برکاتہم
"ناظم ادارۂ خدامِ القرآن" لاہور۔ (پاکستان)
بہ معدن العلوم۔ وانم باڑی ۔ ۱۸ جنوری ۱۹۸۱ء
از: نازش حیدرآبادی
(استاذ معدن العلوم۔ وانمباڑی)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحبِ والاصفات
آج ہیں مہمان معدن ہے حسرت کی یہ بات
آج ایک ضیفِ معزز آئے از فضلِ الٰہ
خیر مقدم کے لئے ہیں دیدہ و دل فرشِ راہ
آپ کا آنا ہمیں ہے وجہِ ناز و افتخار
ارضِ معدن آپ کے آنے سے ہے باغ و بہار
نغمۂ ترحیب گاتے ہیں گل و غنچہ سبھی
آپ کے کلمات سے باطن نے پائی روشنی
آج دل رطب اللساں ہے آپ ہی کی شان میں
آپ پاکستان کے مہماں ہیں ہندوستان میں

گوش برآواز ہیں سب عندلیبانِ چمن
کچھ ہمیں بھی ہوں عطا، دُرِ عدن، لعلِ یمن

نازش حیدرآبادی، ۱۸ جنوری ۹۱ء، وانم باڑی

وانم باڑی سے ہم واپس ویلور آئے اور سب سے پہلے پی۔عبدالشکور صاحب مرحوم کی ٹینری میں گئے۔ سب سے پہلا مسئلہ سی۔آئی۔ڈی۔ آفس جاکر اپنی آمد اور پھر روانگی درج کرانا تھی اور یہ مسئلہ جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے ہمارے لئے واقعی ایک "مسئلہ" بن گیا تھا۔ ہمارے میزبانوں کو اس کا احساس تھا اس لئے انہوں نے آمبور سے یہاں ویلور میں ٹینری فون کرکے ایک ایسے صاحب کا انتظام کردیا تھا جن کے سی۔آئی۔ڈی۔آفس میں تعلّقات ہیں۔ چنانچہ جب ہم ٹینری پہنچے تو تھوڑی ہی دیر میں ہمارے ان محسن کو بلالیا گیا ان کا نام شریف صاحب تھا اور وہ نام کے ہی نہیں کام کے بھی شریف تھے۔ یعنی لفظاً و معناً دونوں طرح سے۔ ہمارے کراچی والوں کی طرح نہیں جہاں ہر طرف "شرفا ہی شرفا" نظر آتے ہیں۔ اور خصوصاً وہ شخص تو شریف ہونے کا سب سے زیادہ مدّعی ہوتا ہے جس کے گھر میں شریفے کا درخت ہو۔ اور یوں بھی بہت سے لوگوں نے محض شریف بننے کے لئے بلکہ کہلانے کے لئے اپنے گھروں میں شریفے کے پیڑ لگا رکھے ہیں۔

یہ سی۔آئی۔ڈی۔ والے بھی خوب ہوتے ہیں۔ ہم جب جمعیت طلبہ میں تھے تو ایک صاحب ہماری "نگرانی" پر مامور تھے۔ چنانچہ گجرات کے "مام دینا" کی طرح اُن کا نام ہم نے چودھری امام دین (C.I.D) رکھا ہوا تھا۔ یوں تو کسی کا غلط نام رکھنا ——— شرعاً منع ہے لیکن اُس وقت نوجوانی کا دور تھا اور ہم یہ سوچتے تھے کہ جب وہ صاحب ہماری خفیہ نگرانی کررہے ہیں اور سایہ کی طرح پیچھے لگے رہتے ہیں تو ہم بھی اُن کا نام کچھ ایسا رکھیں جو ہم ہی تک محدود رہے۔ اس ضرورت کا فائدہ اٹھاکر نام "چودھری امام دین" رکھا گیا کیونکہ اس کے INITIAL بھی C.I.D. ہوتے ہیں۔ یہی نام بگڑتے بگڑتے "مام دینا" بن کر رہ گیا اور وہ صاحب جب آتے تھے تو کھسر پھسر شروع ہوجاتی تھی کہ "لو مام دینا آگیا"۔

شریف صاحب کے ساتھ ہم C.I.D آفس روانہ ہوگئے۔ واپسی کے سفر میں مولوی عبدالجلیل صاحب اور مولوی عبدالباقی صاحب ساتھ تھے C.I.D آفس والے

جس طرح ہمیں پریشان کر رہے تھے - مجھے ڈر تھا کہ ہمارے مولوی عبدالجمیل صاحب کہیں اپنے "جلال" میں نہ آجائیں اور وہاں کھری کھری نہ سنا دیں - اُن کا تو شاید کچھ زیادہ نہ بگڑتا کہ وہ تو وہیں کے تھے - اچھی خاصی "کرکری" ہماری ہو جاتی - لیکن خدا کا شکر کہ وہ خاموش ہی رہے -

ہم جب E.I.D. آفس متعلقہ کارکن کے پاس پہنچے تو اُس نے پھر وہی باتیں دہرانی شروع کر دیں جو اس سے قبل یعنی کل کہہ چکا تھا وہ بضد تھا کہ اندراج یہاں پر نہیں آمبور میں ہوگا اُسے کہا بھی گیا آمبور والے کہتے ہیں اندراج ویلور ——— میں ہوگا مگر وہ ماننے کو تیار نہ تھا - ہم کیا ہو گئے فٹ بال ہو گئے اِدھر سے کِک مارا اُدھر جا پڑے - اُدھر سے کِک مارا اِدھر آگئے ایک غیر ملکی تو مہمان کا درجہ رکھتا ہے لیکن یہاں پر اُس کا یہ "اکرام" ہو رہا تھا - اللہ اکبر! کہ یہ لوٹے کی جائے ہے! اچھا ہوا کہ شریف صاحب ساتھ تھے - انہوں نے بہت دیر تک اُس شخص کو سمجھایا جب جا کر اُس کا دل پسیجا - اور وہ خدا خدا کر کے اندراج کرنے پر آمادہ ہوا - لیکن پھر اُس نے پاسپورٹ میں اعتراض نکالنے شروع کر دیئے - وہ جو کہتے ہیں کہ چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہ جائے - پاسپورٹ پر شخص متعلقہ کے فوٹو اور دستخط موجود ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر اُسکی تصدیق کی جا سکتی ہے - لیکن یہ آدمی بہت تیز تھا - ڈاکٹر صاحب کے پاسپورٹ میں بائیں جانب تِل تحریر تھا ڈاکٹر صاحب سے کہنے لگا تِل دکھائیے - اتفاق سے تِل دائیں جانب تھا اور پاسپورٹ میں بائیں جانب لکھا تھا اب اسے اعتراض کا موقع ہاتھ آگیا - اُس سے کہا گیا کہ تصویر صحیح ہے تصدیق کر لو - دستخط بھی کرا کے دیکھ لو - پاسپورٹ بنواتے وقت غلطی ہو گئی تھی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوتا تھا - میں دِل ہی دِل میں ڈر رہا تھا کہ میرے پاسپورٹ میں دائیں ہاتھ پر تِل درج ہے جب کہ دراصل وہ بائیں ہاتھ پر ہے - (براہ کرم آپ یہ نہ سمجھیں کہ ڈاکٹر صاحب کا دائیں جانب کا تِل دورانِ سفر اُڑ کر میرے بائیں جانب آگیا ہو اور میرا دائیں ہاتھ سے اُڑ کر اُن کے بائیں جانب چلا گیا ہو - حاشا و کلاّ ——— ایسا نہیں ہوا ——— !) اب اگر اُس نے چیک کر لیا تو ایک اعتراض اور ہاتھ آجائے گا - نہ جانے وہ کون سی "شبھ" (نیک) گھڑی تھی کہ پرماتما کو ہماری حالت پر رحم آ ہی گیا اور ——— اُس نے ہمارا کام کر کے ہمیں فارغ کر دیا ——— اللہ کا شکر

ادا کیا! شریف صاحب کا بھی شکریہ ادا کر کے انہیں رخصت کیا ـــــ ہمارا خیال یہ ہے کہ متعلقہ کلرک کا سارا کھیل صرف مٹھی گرم کرنے کے لئے تھا جو ظاہر ہے ہم نہیں کر سکتے تھے اور اسے بھی یقین ہو گیا تھا کہ یہ لوہے کے ایسے چنے ہیں۔ جن سے دانت تو ٹوٹ سکتے ہیں انہیں چبایا نہیں جا سکتا۔

یہاں سے ہماری گاڑی مدرسۂ لطیفیہ جا کر رکی۔ جو مکان حضرت قطب ویلور میں واقع ہے۔ یہ جنوبی ہند کا سب سے پرانا یعنی تین سو سال پرانا دارالعلوم ہے سرکاری یا پبلک امداد کے بغیر خانقاہی انداز میں چلایا جا رہا ہے۔ آج سے تین سو سال پہلے خطۂ جنوبی ہند میں کفر و شرک کی تند و تیز آندھیاں چل رہی تھیں۔ ایسی مہلک اور غیر ایمانی فضا میں خانوادۂ اقطاب ویلور کے پہلے بزرگ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوریؒ ویلور میں فروکش ہوتے اور خواب میں حضورؐ اکرم نے انہیں ہدایت فرمائی کہ خلق کی خدمت کے لئے تمہیں یہیں رہنا ہے۔ اس مرد صالح نے علم دین کی ایسی شمع جلائی جس کی روشنی آج بھی جویانِ حق کیلئے مشعل راہ ہے۔ آپ کی اولاد و امجاد نے اپنے اپنے دور میں کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ و تطہیر کے عظیم فرض کی ادائیگی کے لئے اپنی زندگیاں کو وقف کر دیا جن کی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ جنوبی ہند میں ایمان کی خوشبو ہر سو بکھر گئی۔ زبدۃ العارفین حاجی الحرمین حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ قطب ویلور قدس سرہٗ نے کتاب و سنّت کی تبلیغ کے ساتھ وسیع پیمانہ پر تزکیۂ نفس کا عظیم کام بھی انجام دیا اور تقریباً سات لاکھ لوگوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ اور آپ کے خلفاء کا تجدیدی کارنامہ جنوبی ہند کی دینی و ملّی خدمات کا ایک زرّیں باب ہے ان اکابر نے احسان و تصوّف کی راہ سے بھی اور علوم ظاہریہ شرعیہ کے ذریعہ بھی مسلمانوں کی اصلاح کا کام انجام دیا۔ آج سے تین صدی قبل اس مرد صالح یعنی حضرت قطب ویلور نے دارالعلوم لطیفیہ قائم فرمایا جس کا چشمۂ فیضان آج بھی بہہ رہا ہے اور موجودہ مربیان کرام کی عرق ریزی و جانفشانی کی بدولت روز افزوں ترقی کے منازل طے کر رہا ہے۔

حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ کی فکر کیا تھی وہ کس طرز پر سوچتے تھے اس

کا اندازہ اس مکتوب سے لگایا جاسکتا ہے جو ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں۔ یہ مکتوب ہے جس میں انگریزوں کی حکومت کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جارہا تھا اور ہندوستان گیر پیمانہ پر ان کے خلاف مہم چلائی جارہی تھی۔ شمالی ہند میں مولانا شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی نے انگریز حکومت کے خلاف جہاد کا نعرہ بلند کیا تھا۔ حضرت قطب ویلورؒ کی شخصیت کا اثر خطۂ جنوب میں چاروں طرف پھیلا ہوا تھا اور ہزاروں کی تعداد میں علماء و مشائخ آپ کی ذات گرامی سے منسلک اور وابستہ تھے۔ انگریزوں کے خلاف جب جہاد کی ترغیب و تحریص کی فضا ہر طرف پھیلنے لگی تو جنوب میں خواص و عوام کی نظریں آپ کی طرف مرکوز ہوگئیں۔ چنانچہ یہ مکتوب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں فوج کے ایک ذمہ دار فرد محمد ابراہیم منشی پلٹن نے آپ سے استفسار کیا کہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے یہ خط فارسی زبان میں ارسال فرمایا۔

اس مکتوب میں حضرت قطب ویلورؒ نے دو مسئلوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ایک مسئلہ یہ کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں آپ نے شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کے موقف و مسلک کی تائید فرمائی ہے اور دوسرا مسئلہ یہ کہ دارالحرب میں سود خواری جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں آپ نے مکتوب الیہ کو سمجھایا ہے کہ کسی مجتہد اور امام کا قیاس خطا پر بھی مبنی ہو، جب بھی اس پر عمل کرنا اگرچہ اس کو دائرہ شریعت سے خارج نہیں کرتا تاہم فتویٰ ایک چیز ہے اور تقویٰ اور چیز ہے لہٰذا اس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ یہ مکتوب جو دراصل فارسی میں ہے اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ مکتوب کچھ طویل ضرور ہے لیکن ہمیں امید ہے کہ آپ اس کی طوالت کو نظر انداز کرکے اسے ملاحظہ فرمائیں گے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد صلوٰۃ اور سلام دعاؤں کے بعد واضح ہو کہ گرامی کا الفت نامہ ۲۳ر جمادی الآخر ۱۲۶۴ھ کو موصول ہوا۔ آپ کی اور دوسرے دوست احباب کی خیریت اور سود و دیگر مسائل و مضامین سے متعلق آگاہی حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ تمہارے علم اور عمل کے درجات میں اضافہ فرمائے اور تمہیں سارے

مشتبہات و مکروہات اور دارین کی بلاؤں سے اپنی امان میں رکھ کر نجات عطا کرے۔
فقیر ایک مدت سے کتب فقہ کے مطالعہ سے محروم ہے، اور دل بھی مائل نہیں ہے۔ کیا کہا جائے، زندگی ایسے ہی بسر ہو رہی ہے، جیسی ہماری پرورش ہوئی ویسی ہی ہماری روش ہے۔ علاوہ ازیں میں قلیل الفرصت ہوں۔ تمہارے سوالوں کا جواب دینا بھی ضروری تھا۔ لہٰذا مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کا فتویٰ تمہارے سوال کے جواب میں روانہ کر رہا ہوں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس اُمت کے لئے چراغ ہیں اور شاہ عبدالعزیز دہلوی اور مولانا عبدالحی لکھنوی، دونوں ہمارے زمانہ میں علوم ظاہر و باطن کے جامع اور خانۂ اسلام کے ستون اور ہندوستانی مسلمانوں کی آنکھ ہیں۔ (سائل نے کسی مناظرہ سے متعلق تحریر کیا تھا، اس کے بارے میں لکھتے ہیں) مجیب کو رجوع کی سند میں پیش کرنے کے بعد بھی ارباب مناظرہ انصاف سے دور بات کہے ہیں۔

ہدایہ اور فقہ مذہب، (ابوحنیفہ) کی دوسری کتابوں میں جو کچھ لکھا ہوا ہے، وہ تو ظاہر ہے اور جو کچھ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مذہب اسلام اور انگریزوں کے عمل (پالیسی) کی بنیاد پر، ہندوستان کو قول راجح کی بنا پر دارالحرب قرار دیا ہے یہ تمام تفصیلات تمہاری نظر سے گذر چکی ہوں گی۔ مجھ جیسے ہیچمدان مقلد میں اتنی ہمت کہاں کہ ائمہ کے عظیم اجتہادات کے بارے میں لب کشائی کر سکوں اور مجھ بے دست و زبان اور بے سر و چشم کو اتنی کہاں طاقت، کہ خانۂ اسلام کے ستون اور ہندوستانی مسلمانوں کی آنکھ کے بارے میں کچھ کہہ سکوں۔

ہاں! دارالحرب میں سود کھانا اور انگریزوں کا حربی ہونا۔ یہ دونوں مختلف فیہ مسئلے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے علاوہ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام نے دارالحرب میں سود خواری کو جائز نہیں قرار دیا ہے۔ جو لوگ انقلاب حکومت کو جائز نہیں سمجھتے اور وہ لوگ جو انقلاب کو جائز قرار دیتے ہیں، ان میں بھی ایک طائفہ کا قول ہے کہ انگریزوں کے عمل (حکومت اور پالیسی) سے ہندوستان دارالاسلام سے دارالحرب کی طرف منتقل نہیں ہوا، امور مختلفہ میں اگرچہ کہ اجتناب کرنا قول راجح، اور درست ہو تو بھی ورع اور تقویٰ کا تقاضہ یہ ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے اور کسی مجتہد کا

قیاس خطا پر مبنی اور مرجوح ہو، تب بھی ایسے قیاس پر عمل کرنا، دائرہ شریعت سے خارج نہیں کرتا۔

قرآن، حدیث، اجماع اور مذکورہ تین چیزوں پر مبنی قیاس کا نام شریعت ہے۔ لہٰذا امام کا اجتہادی مسئلہ بھی مذکورہ چار دلائل شرعیہ میں سے چوتھی دلیل ہے۔ فتویٰ اپنی جگہ ایک چیز ہے۔ لیکن تقویٰ بھی ایک چیز ہے۔

بے حکم شرع آب خوردن خطا است
وگر خون بفتویٰ بریزی رواست

(پانی بہانا بادی النظر میں ایک معمولی کام دکھائی دیتا ہے، لیکن وہ بھی اگر خلاف شرع بہایا جا رہا ہے تو گناہ لازم آئے گا اور خون بہانا ایک عظیم فعل ہے۔ لیکن وہ بھی اگر حکم شریعت کے مطابق بہایا جا رہا ہے تو روا، اور درست ہے)

حاصلِ کلام شریعت صراطِ مستقیم ہے، جو شخص صراطِ مستقیم سے ایک رائی کے دانہ برابر بھی ہٹ جاتے تو وہ جیسے جیسے آگے بڑھتا جائے گا صراطِ مستقیم سے دُور ہوتا جائے گا اور یہاں تک کہ اپنی منزلِ مقصود کو پہنچنے سے محروم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ بحرمت سید المرسلین والا ہمیں اور تمہیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے آمین

آپ نے دار الحرب میں سکونت و رہائش کے جواز اور عدم جواز سے متعلق بھی استفسار فرمایا تھا۔ آپ نے قرآن کریم میں یہ آیت دیکھی ہوگی، اس کی تفسیر و تشریح معتبر و مستند اور مبسوط تفاسیر میں دیکھئے۔ ان الذین توفیھم الملئکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا (جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے اُن کی رُوحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے کہا، ہم زمین میں کمزور تھے، فرشتوں نے کہا، کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔)

اور دار الحرب میں سود کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ سکونت اور چیز ہے، اور سود خواری دوسری چیز ہے۔ ہاں! اگر کوئی شخص کسی غیر مختلف فیہ (متفقہ) امر کا کسی شرعی حیلہ کے ذریعہ ارتکاب کرے تو لوگوں کے نزدیک مجرم نہیں ہوگا اور

قاضی کو بھی المرء یوخذ باقراءہ (انسان کو اس کے اقرار پر مؤاخذہ کیا جائے گا)، کے تحت کسی کے دل پر حکم لگانے کا اختیار نہیں ہے لیکن ایسا شخص اللہ تعالٰے کے نزدیک پکڑا جائے گا کیونکہ دلوں کی پوشیدہ چیزوں کو علام الغیوب اور مالک القلوب کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالٰے ہی حقیقت حال سے واقف ہے — دل میں بہت سی باتیں ہیں، لیکن زبان قلم اس کی ترجمانی سے قاصر ہے، لہذا مجبورًا ان باتوں کو بالمشافہ پیش کیا جائے گا۔

عمر بگذشت و حدیث دردِ من آخر نشد
شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

(عمر گذر گئی بالآخر میری درد بھری بات پوری نہ ہو سکی رات ختم ہو رہی ہے لہذا میں داستان کو مختصر کرتا ہوں)

اللہ تعالٰے تمہیں نیکیوں کی توفیق میں زیادتی عطا فرمائے۔"

ڈاکٹر صاحب کی تشریف آوری کی خبر یہاں پر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت مولوی عبدالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری نے بذاتِ خود ڈاکٹر صاحب کا استقبال کیا اور نہایت محبت سے اپنے پاس بٹھایا۔ موصوف آجکل مسند سجادگی پر فائز ہیں اور دارالعلوم لطیفیہ کے سرپرست ہیں۔ مولانا ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قادری (جو دارالعلوم کی سرپرستی میں معاونت فرما رہے ہیں)، اور مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری (جو ناظم دارالعلوم کی حیثیت سے تعلیمی خدمات میں مصروفِ عمل ہیں اور دارالتصنیف والاشاعت کے نگران ہیں) بھی موجود تھے۔ علاوہ ازیں دارالعلوم کے چند اساتذہ بھی تشریف لے آئے تھے جن میں مولانا مولوی محمد حسین صاحب ایم۔ اے۔ اور افضل العلماء مولوی حافظ شبیر الحق قریشی ادھونی کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہاں ہماری بہت خاطر مدارات کی گئی۔ دوپہر کا کھانا ہم ٹیری میں کھا چکے تھے لیکن یہاں پر دستر خوان پر چائے کے ساتھ انواع و اقسام کی اشیاء کے پُر تکلف انبار لگادئے گئے تھے۔ شاہ محمد باقر صاحب قادری سجادہ نشین صاحب ہماری پلیٹوں میں بار بار مختلف چیزیں اپنے دستِ مبارک سے ڈالتے جاتے تھے اور

اصرار ہوتا تھا کہ اور کھاؤ۔ حالانکہ تاخیر سے دوپہر کا کھانا اور وہ بھی پُرتکلف کھانا کھانے کی وجہ سے ہمارا پیٹ پہلے سے بھرا ہوا تھا۔ واقع یہ ہے کہ ؎

"اک بندۂ عاصی کی اور اتنی مدارائیں"

سجادہ نشین صاحب وہی ہیں جنہوں نے عبدالصمد صاحب کے صاحبزادے امتیاز صاحب کا نکاح پڑھایا تھا۔ نکاح سے قبل ڈاکٹر نذیر محمد صاحب کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کا تعارف اور ڈاکٹر صاحب کی نکاح کے موضوع پر تقریر سننے کے بعد موصوف ڈاکٹر صاحب کی ذات سے اور اُن کے خیالات سے متعارف ہو ہی چکے تھے۔ اس لئے یہاں پر ڈاکٹر صاحب اُن کیلئے نئے نہیں تھے۔ شاہ صاحب نے دارالعلوم لطیفیہ کے دارالتصنیف والاشاعت کی جانب سے شائع کردہ بہت سے کتابچے ڈاکٹر صاحب کو اور اس خاکسار کو ہدیہ فرمائے دارالعلوم لطیفیہ کے تحت علمی دینی اصلاحی اور معلوماتی رسالہ "اللطیف" کے نام سے شائع ہوتا ہے جس کا سالنامہ بھی موصوف نے ہمیں ہدیہ فرمایا۔ ہم نے بھی ڈاکٹر صاحب کے کچھ کتابچے شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کئے۔

شاہ صاحب کی گفتگو سے ہم اتنے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ وہاں سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا "لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم" والا معاملہ تھا۔ لیکن دوسری طرف معاملہ یہ تھا کہ ہمیں آج ہی واپس مدراس پہنچنا تھا کیونکہ رات کو والاجاہی مسجد کے احاطہ میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر تھی۔ مجبوراً اٹھنا پڑا۔ کئی بار تو شاہ صاحب نے ہمیں اٹھنے نہ دیا۔ لیکن جب اُن کو مدراس پہنچنے کی وجہ بتائی تو ہمیں جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مولوی عبدالباقی صاحب نے مجھ سے ایک بار کہا تھا کہ تمہاری صورت شکل کے میں نے انڈیا میں کئی آدمی دیکھے ہیں۔ انہوں نے تو سنجیدگی سے کہا لیکن میں نے مزاحاً کہا کہ کوئی نظر آئے تو مجھے بھی دکھا دیجئے گا تاکہ موصوف سے تعارف حاصل کر سکوں۔ اب جو دارالعلوم لطیفیہ میں ہم شاہ صاحب کی محفل میں بیٹھے تھے تو مولوی عبدالباقی صاحب نے چپکے سے مجھے کہا کہ "سامنے دیکھ رہے ہو نا"۔۔۔ میں نے کہا "جی" فرمانے لگے "یہ تم ہی تو ہو"۔۔۔ اور میں واقعی انہیں دیکھتا رہ گیا۔

چہرے کا رنگ، نقوش وغیرہ واقعی میرے ہی جیسے تھے - میں حیران سا رہ گیا - میں کدھر ہوں - میں خود میں ہوں یا سامنے ہوں — اب جو دوبارہ دیکھتا ہوں تو وہ صاحب تھے دارالعلوم کے استاذ مولانا مولوی محمد حسین صاحب ایم اے جن کی شکل وصورت واقعی مجھ سے ملتی جلتی تھی -

دارالعلوم لطیفیہ میں نبی اکرمؐ کا موئے مبارک ہے جو سال میں ایک بار یعنی بارہ ربیع الاوّل کو دکھایا جاتا ہے - آج ۱۱ ربیع الاوّل کی تاریخ تھی ڈاکٹر صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ ایک روز قبل یعنی آج اُس کی زیارت کرادی جائے لیکن وہاں سے جواب "نہیں" ملا کیونکہ یہ اُن کے برسہا برس کی روایات کے خلاف تھا -

دارالعلوم لطیفیہ سے ہم روانہ ہوکر مدرسہ باقیات الصالحات گئے جو تھوڑی ہی دُور پر واقع ہے - مکان حضرت قطب ویلورؒ کے خانوادہ کے فیض یافتہ ایک فرزندِ جلیل حضرت مولانا شیخ عبدالوہاب قدس سرہٗ نے ۱۸۵۷ء میں یعنی آج سے تقریباً سوا صدی قبل "مدرسہ باقیات صالحات" کی بنیاد رکھی جس کا حلقۂ فیض و اصلاح جنوب کے تمام علاقوں سے گذر کر بیرونی ممالک تک پھیلا ہوا ہے - اس دینی درسگاہ کے فیض یافتہ حضرات میں ایسے خدام گذر چکے ہیں جنہوں نے صوبہ مدراس و مالابار میں اپنے مادرِ علمی کی نسبت سے سینکڑوں دینی مدارس کو جاری کر دیا ہے - جو علوم شرعیہ کی خدمات میں مصروف ہیں بیرونی ممالک برما، سیلون، ملیشیا، انڈونیشیا، جاوا، ہانگ کانگ، تھائی لینڈ اور سنگاپور میں سینکڑوں علماء اس خدمت پر مامور ہیں - جن میں اکثر و بیشتر اسی باغ کے خوشہ چیں اور اسی ایک چراغ سے بنی ہوئی انجمنوں کی حیثیت رکھتے ہیں ؎

یک چراغ ست دریں بزم کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

مدرسہ کی ابتداء باقی مدرسہ نے ۱۸۵۷ء میں اپنے مکان ذی شان سے کی شروع شروع میں آپ طلباء کو اپنے مکان ہی کے وسیع دالان میں تعلیم دیتے رہے ۱۲۹۱ھ میں یہ مدرسہ موجودہ باقیات کی عمارت میں منتقل ہوا - ابتداء میں یہ چھوٹی سی عمارت آج عظیم الشان عمارات میں تبدیل ہو چکی ہے - تعمیرات

کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے - ہم جب گئے تو مسجد کی توسیع ہو رہی تھی - اس مدرسہ کا کام "باقیات الصالحات" کیسے پڑا - اس سلسلہ میں یہ واقعہ دلچسپی خالی نہ ہوگا - مدرسہ کے افتتاح کے وقت بانی مدرسہ حضرت عبدالوہاب شاہ قادریؒ سے لوگوں نے اصرار کیا کہ مدرسہ کا نام آپ کے نام سے منسوب کیا جائے - لوگوں کی اس رائے کو حضرت قبلہ سختی سے روکتے رہے - جب لوگوں کا اصرار حد سے تجاوز کر گیا تو اس وقت اعلیٰ حضرتؒ نے فرمایا اچھا بس ایک تجویز کر کے جمعہ کے دن سناؤں گا - پھر نماز جمعہ کے بعد مسجد میں بیٹھ کر ایک چھوٹے طالب علم سے قرآن مجید منگوایا اور اس بچے سے کہا قرآن شریف کھولو - اس لڑکے نے قرآن مجید کھولا تو دفعتاً اس آیت کریمہ پر نظر پڑی -

والباقیات الصالحات خیر عند ربک الخ

حضرتؒ نے فرطِ مسرت سے کہا کر مدرسہ کا نام "باقیات الصالحات" ہوگا -

اس مدرسہ میں تقریباً ساڑھے تین سو طلبا رہیں جن میں سے اکثر کا تعلق کیرالا، لنکا، آندھرا، کرناٹک اور تامل ناڈ سے ہے - اکثریت کیرالا کے علماء کی ہے جو اپنے ہاں سے فارغ ہو کر یہاں تکمیل کے لئے آتے ہیں - تقریباً چوبیس اساتذہ ہیں - جن میں مولانا سید شاہ صبغۃ اللہ بختیاری صاحب بھی شامل ہیں

اوقاف کے ماتحت اس کو ایک مجلس منتظمہ چلاتی ہے - اس کے موجودہ ناظم مولانا سید عبدالجبار صاحب ہیں -

ہم جب مدرسہ کی عظیم الشان عمارت میں داخل ہوئے تو بڑے دروازے پر حسب ذیل اشعار کندہ تھے :-

والباقیات الصالحات خیر عند ربک ثوابا وخیرا ملا -

ز لطف پادشاہ ذوالجلال پاک بہمینا
جہانی را ز جہل آباد نادانی بدرآرد

بنائے ایں بنائی خیر چوں بالخیر انجامید
برائے تشنہ کامان خیالی فی علوم دیں

کہ لطف او برائے عبدالوہاب الصلاۃ آمد
علیمی قطرۂ علمش کہ بحر الموہبات آمد

صدائے حبذا باللفرح از شش جہات آمد
وجودش بالیقیں سرچشمہ آبحیات آمد

سرما سد فدا شد چوں می منقوطہ تاریخش
ندا ز غیب تلک الباقیات الصالحات آمد

۱۳۰۴ ھ

مدرسہ کے احاطہ میں ایک خوبصورت مسجد ہے - جس سے ذرا ہٹ کر بانیٔ مدرسہ کا مزار ہے - مزار کے اوپر حسب ذیل اشعار تحریر تھے :

سنۃ الوصال للعلامۃ العدیم المثال شمس العلماء اعلحضرت الحاج مولانا المولوی شاہ عبدالوھاب صاحب قادری قدس سرہٗ

بانی المدرسۃ الباقیات الصالحات

اذا نال عبد الوھاب علما هو القطب للھند خلداً نعیما
تفکرت فی ارخہ اقتباسا بدالی - لقد فاز فوزاً عظیما

مولانا سید عبدالجبار صاحب نے ہمیں مدرسہ کے مختلف شعبوں کی سیر کرائی - ۱۳۳۷ھ
مدرسہ کی اپنی بہت بڑی لائبریری ہے جس میں متعدد نادر اور نایاب قلمی نسخے ہیں - ہم نے یہاں پر ہر چیز میں بڑی باقاعدگی پائی ڈاکٹر صاحب کا تعارف مدرسہ کے اساتذہ سے کرایا گیا - چائے وغیرہ کا پہلے سے انتظام تھا - کافی پُر تکلف ناشتہ کرایا گیا - اور ناشتہ پر مختلف مسائل پر ڈاکٹر صاحب کے ساتھ تبادلۂ خیالات - وقت چونکہ مختصر تھا اس لئے ہم نے ان حضرات سے رخصت چاہی - ان کی جانب سے شکوہ رہا کہ ڈاکٹر صاحب بہت کم وقت کے لئے تشریف لائے - آئندہ کیلئے وعدہ لے لیا گیا کہ زیادہ وقت عنایت فرمائیں گے - اس مدرسہ پر ہی کیا موقوف ہے - جنوبی ہند میں جہاں بھی ہم گئے ہر جگہ ہم نے اپنے لئے محبت کا زمزم بہتا ہوا پایا -

مولانا سید عبدالجبار صاحب نے ظہیر احمد باقوی صاحب کی مرتب کردہ ایک کتاب "باقیات ایک جہاں" اور رسالہ "الباقیات" کا صد سالہ نمبر ہدیہ فرمایا - رسالہ نہایت ہی دیدہ زیب اور بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ مرتب کیا ہوا تھا یعنی صوری و معنوی دونوں حیثیتوں سے آراستہ - ہم نے بھی مولانا عبدالجبار صاحب کو ڈاکٹر صاحب کے چند کتابچے پیش کئے - (جاری ہے)

---

عن عثمانؓ ابن عفان قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم — بخاری و مسلم —

**خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ**

## فہرست تصانیف

# ڈاکٹر اسرار احمد

| | |
|---|---|
| ★ تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ | -/۶ روپے |
| ★ مطالبات دین | -/۶ " |
| ★ اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام | -/۱ " |
| ★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت | -/۳ " |
| ★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں | -/۲ " |
| ★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (اردو) | -/۳ " |
| ★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (عربی) | -/۴ " |
| ★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (انگریزی) | -/۵ " |
| ★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ اوّل ★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ دوم } یکجا | -/۸ " |
| ★ قرآن اور امن عالم | ۷۵/- " |
| ★ راہ نجات: سورۃ والعصر کی روشنی میں | -/۲ " |
| ★ علامہ اقبال اور ہم | -/۲ " |
| ★ عظمت صوم | -/۱ " |
| ★ دعوت الی اللہ | -/۱ " |
| ★ آیۃ الکرسی | ۳۰/- " |
| ★ قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ: الفاتحہ تا الکہف | -/۷ " |
| ★ شہید مظلوم (شہادت حضرت عثمانؓ) | -/۳ " |

## AN AUSTERE MARRIAGE

(Report by staff Reporter appeared in PAKISTAN TIMES Lahore insertion of 29th August 1981.)

"Unique and commendable austerity, true to the traditions of the Holy Prophet (peace be upon him) was observed at a marriage function in Jamia - ul - Quran, Quran Academy Model Town Lahore on Thursday evening

No pomp and show, guests were not served with any refreshment. People assembled in the jamia a few minutes before evening prayers, before the 'Azan' they quietly listened to the cassette recording of the Holy Quran After prayers, Dr. Israr Ahmad, a renowned religious scholar, performed the 'Nikah' ceremony of Mr. Saeed Ahmed Asad with his daughter - "Amatul Mohsee" Nikah ceremony over, the bridegroom with relations and friends left quietly. Dr. Israr told that for observing this austerity many of his relations had severed with him and members of his family."

Regd. L. No. 7360
MONTHLY "MEESAQ" LAHORE
Vol. 30 | August and September 1981 | No. 8-9

هم سے طلب فرمائیں

دور حاضر میں علامہ اقبال مرحوم کے خطبات کے بعد
حکمت قرآنی پر عظیم ترین تصنیف

# قرآن اور علم جدید

تالیف

ڈاکٹر محمد رفیع الدین
ایم اے ' پی ایچ ڈی ' ڈی لٹ

عالمی فتنہ ارتداد اور ڈارون ، میکڈوگل ، فرائڈ ، ایڈلر ، کارل مارکس اور
میکاویلی کے نظریات کا حکمت قرآنی کی روشنی میں محققانہ جائزہ

بڑے سائز کے ۶۰۰ صفحات — قیمت-/۵۰ (محصولڈک علاوہ)

شائع کردہ : آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس
منگانے کا پتہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن
۳۶-کے' ماڈل ٹاؤن ـ لاہور ـ فون : ۸۵۲۶۱۱